قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

(رواہ البخاری)

سلسلہ

التبلیغ

کا تیرھواں وعظ مسمّی بہ

تعمیم التعلیم

منجملہ ارشادات حضرت حکیم الامت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی

حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب دار المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیم التعلیم

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	ماخذ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	تصنیفات
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مستورات کا مجمع بھی تھا جنکی تعداد معلوم نہوسکی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلے اللہ تعالی علیہ وعلے آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ویتعلمون ما یضرہم ولا ینفعہم ولقد علموا لمن اشتراہ ما لہ فی الآخرۃ من خلاق ولبئس ما شروا بہ انفسہم لو کانوا یعلمون ولو انہم امنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون ۝ ان آیتوں میں کا جزو اول ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے جسمیں ایک قصہ مذکور ہے پوری آیت میں نے اسلئے نہیں پڑھی کہ جو مقصود اس وقت قابل بیان ہے وہ اُس میں مذکور نہیں بلکہ وہ صرف اُسی جزو میں مذکور ہے جسکو میں نے تلاوت کیا ہے اگرچہ وہ قصہ بھی جو پوری آیت میں ذکر کیا گیا ہے ضروری ہے اور قرآن کا کوئی جزو ایسا نہیں ہے جو ضروری نہو مگر خاص وقت اور خاص محل کیوجہ سے کسی ایک جزو کو بیان کیلئے اختیار کرلیا جاتا ہے اسی لئے میں نے پوری آیت کی تلاوت نہیں کی بلکہ آخر جزو پر اکتفا کیا

اور تبلیغ کے موقعہ پر ایسا کرنا جائز ہے (چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض دفعہ موقع استشہاد میں جزو آیت کی تلاوت پر کفایت فرمائی ہے ۱۲ من الجامع) لیکن نماز میں ایسا نہ کرنا چاہیے کہ ایک آیت کو بیچ میں سے پڑھنا شروع کردے یا وسط میں سے قطع کردے نماز میں پوری آیت بلکہ پوری سورت پڑھنی چاہیے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ لمبی لمبی سورتیں بھی پڑھا کرے جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہو بلکہ ہر وقت کے مناسب جتنی مقدار فقہاء نے بتلائی ہے اُسکے موافق سورتیں پڑھنا چاہئیں۔ نماز کا تو یہی حکم ہے مگر تبلیغ میں اسکا مضائقہ نہیں کہ ایک آیت کو وسط میں سے شروع کرے یا وسط میں قطع کردے یہ تو وجہ تھی جزو آیت پر اکتفا کرنے کی رہا یہ کہ میں نے اس جزو کو اسوقت کیوں اختیار کیا سو ہر چند کہ مضامین قرآن سب ہی ضروری ہیں اور اسی بناء پر وہ قصہ بھی ضروری ہے جو پوری آیت میں مذکور ہے لیکن اس وقت یہ بیان ایک علمی مدرسہ میں ہو رہا ہے جو کہ علم دین کی تعلیم کیلئے قائم کیا گیا ہے اسلئے مناسب ہوا کہ علم کے متعلق کچھ بیان اور بحث کیجائے اور طلبہ کو علم کے حقوق سے آگاہ کیا جائے اور اُس میں جو کچھ کمی کیجارہی ہے اُسکی اصلاح کردیجائے اور علم کا بیان جس خاص طریق پر میں اسوقت کرنا چاہتا ہوں وہ اسی جزو اخیر میں مذکور ہے جسکو میں نے پڑھا ہے چنانچہ ترجمہ سے یہ بات واضح ہو جائیگی حق تعالیٰ فرماتے ہیں ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم اور یہ لوگ سیکھتے ہیں اُس علم کو جو انکے لئے مضر ہے اور نفع نہیں دیتا۔ ان لوگوں سے مراد یہود ہیں اور اس علم سے مراد سحر ہے۔ اوپر سے یہود کی مذمت مختلف طریقوں سے مذکور ہوتی آرہی ہے چنانچہ اسی ضمن میں ان لوگوں کی بھی مذمت بیان کیگئی ہے جو سحر میں مبتلا تھے اور اسکے متعلق ہاروت ماروت کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے ہر چند کہ اُس قصہ کو مقصود وعظ کیساتھ زیادہ تعلق نہیں مگر ربط کیلئے اُسکا ذکر کردینا مناسب ہے، واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان ج وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر ق وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت ط وما یعلمن من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر ط فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ ط وما ھم بضارین بہ من

احدٍ الا باذن اللّٰہ ؕ اسکے بعد آیت کا وہی حصہ ہے جو میں نے تلاوت کیا تھا مقصود ان آیتوں سے یہود کی مذمت بیان کرنا ہے کیونکہ اُنمیں سحر کا بہت چرچا تھا اور وہ اسمیں بڑے ماہر تھے چنانچہ اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا تھا جس کا اثر بھی حضور پر ہو گیا تھا پھر وحی کے ذریعہ سے آپکو مطلع کیا گیا کہ آپ پر فلاں شخص نے سحر کیا ہے چنانچہ سورۃ الفلق میں اُسکی طرف اشارہ ہے وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ اور (آپ کہیئے کہ) میں پناہ مانگتا ہوں بدی سے اُن عورتوں کی جو گرہوں پر دم پڑھ پڑھکر پھونک مارنیوالی ہیں۔ گرہوں پر پھونک مارنیکی تخصیص اسلیئے ہے کہ حضور پر جو سحر ہوا تھا وہ اسی قسم کا تھا کہ ایک تانت کے ٹکڑے میں گیارہ گرہیں دیگئی تھیں اور ہر گرہ پر کلمات سحر کو دم کیا گیا تھا اور عورتوں کی تخصیص اسلیئے ہے کہ اس واقعہ میں عورتوں ہی نے یہ سحر کیا تھا دوسری کچھ تجربہ سے اور نیز علم طبعی کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا سحر بہ نسبت مردوں کے زیادہ مؤثر ہوتا ہے کیونکہ سحر میں قوت خیالی کو زیادہ دخل ہے خواہ وہ سحر حلال ہو یا سحر حرام یعنی سحر کی دو قسمیں ہیں ایک سحر حرام کہ محاورات میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے دوسرے سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعاویذ وغیرہ کہ لغتہً یہ بھی سحر کی قسم میں داخل ہیں اور انکو سحر حلال کہا جاتا ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعویذ و عزائم وغیرہ مطلقاً مباح نہیں بلکہ اسمیں بھی تفصیل ہے کہ اگر اسمیں اسماء الٰہی سے استعانت ہو اور مقصود بھی جائز ہو تو جائز ہے اور اگر مقصود ناجائز ہو تو حرام ہے اور اگر شیاطین سے استعانت ہو تو مطلقاً حرام ہے خواہ مقصود اچھا ہو یا بُرا بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ جب مقصود اچھا ہو تو شیاطین کے نام سے بھی استعانت جائز ہے یہ بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو اور یہاں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا حکم مطلق نہیں ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ اچھی نیت سے حرام کام بھی جائز ہو جائیں امور محرمہ کسی نیت سے بھی کیئے جائیں وہ حرام ہی رہیں گے۔ بلکہ یہ حدیث امور مباحہ و طاعات کیساتھ مخصوص ہے یعنی اگر جائز کام کو اچھی نیت سے کیا جائے تو اُسپر ثواب

ملتا ہے اور بُری نیت سے کیا جائے تو گناہ ہوتا ہے نیز بعض فرائض وواجبات
بدون نیت کے صحیح نہیں ہوتے خلاصہ یہ کہ مقصود سے پہلے ذریعہ کو دیکھ لینا ضروری ہے
اگر ذریعہ جائز ہے مثلاً اسمائے الٰہی سے استعانت ہو تو پھر مقصود کو دیکھا جائے اگر مقصود
بھی محمود ہے تو اس صورت میں تعویذ و عملیات کو جائز کہا جائے گا اور اگر مقصود ناجائز
ہے تو انکو حرام کہا جائے گا اور اگر ذریعہ ہی حرام ہو جیسے استعانت بالشیاطین تو اب
مقصود چاہے کیسا ہی ہو وہ حرام ہی رہیگا اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص
نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنا چاہے اور اس غرض کیلئے ناچ کرائے تاکہ ناچ کے شوق
میں سب آجائیں اور نماز پڑھ لیں تو مقصود اگرچہ بہت محمود ہے مگر چونکہ اسکے لئے حرام
کو ذریعہ بنایا گیا ہے اسلئے اس صورت کو حرام ہی کہا جاویگا سو آپنے دیکھا کہ نماز باوجودیکہ
حق تعالیٰ کو محبوب ہے مگر اُسکے لئے بھی جب حرام کو ذریعہ بنایا گیا اُسکو شریعت حرام ہی
کہیگی یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہوگی جو تعویذ و عملیات کو نفع رسانی کے موقع میں
مطلقاً جائز سمجھتے ہیں گو اسمیں شیاطین ہی سے استعانت ہو اور وجہ یہ بیان کرتے
ہیں کہ صاحب ہمنے تو مخلوق کو نفع پہونچانے کے لئے کیا ہے پھر اسمیں کیا خرابی ہے
میں کہتا ہوں کہ نماز کے مقابلہ میں دنیوی نفع کوئی چیز نہیں ہے دنیا حق تعالیٰ کے
نزدیک مبغوض ہے اور نماز محبوب ہے جب نماز کے لئے حرام کو ذریعہ بنانا جائز نہیں
تو دنیوی نفع کے لئے شیاطین سے استعانت کیونکر جائز ہوگی مسلمان کا مذاق تو
یہ ہونا چاہئے کہ ہر کام میں سب سے پہلے یہ دیکھے کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہیں
یا نہیں جس کام سے خدا تعالےٰ ناراض ہوں وہ بالکل ہیچ ہے چاہے اُس میں
دنیوی نفع کتنا ہی ہو مسلمان کے واسطے خدا کی رضا سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے
غور کیجئے اگر کوئی محبوب اپنے محبوں کے دھولیں مارتا ہو اور نافرمانوں کو روپے دیتا ہو تو
اُسوقت عاشق کیا چاہیگا یقیناً عاشق محبوب کی نافرمانی روپے حاصل کرنیکے لئے
کبھی گوارا نہ کریگا بلکہ وہ نہایت خوشی سے دھولیں کھانا پسند کریگا کیونکہ محبوب کی رضا
اسی میں ہے اسی طرح خدا کا محب دنیوی نفع و نقصان کی پروا خدا کی رضا کے

سامنے کبھی نہیں کر سکتا بلکہ اسکا مذاق یہ ہوتا ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من | دل فدائے یار دل رنجان من
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں | فوق گردون ست نے قعر زمیں
ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ | جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ

یہانتک کہ عشاق تو رضائے الٰہی کے سامنے جہنم کی بھی پروا نہیں کرتے اگر خدا تعالےٰ اسی میں راضی ہوں کہ اُنکو جہنم میں بھیجدیا جاوے تو وہ اسپر بھی خوش ہیں اور اسوقت وہ دوزخ ہی اُنکے واسطے جنت بن جاویگی مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا | با تو دوزخ جنت است اے جانفزا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے ورنہ اگر دوزخ میں انکو بھیجدیا جائے تو ساری بہادری کرکری ہو جائے گی سو خوب سمجھ لو کہ یہ مبالغہ نہیں بلکہ سچی بات ہے اور اسوقت بھی اللہ کی ایک مخلوق ایسی ہے جو خدا کی رضا کے سامنے جہنم کی پروا نہیں کرتے دیکھو ملائکہ جو خدا کے مطیع و فرمانبردار اور طالب رضا ہیں اُن میں ایک جماعت زبانیۂ جہنم کی بھی ہے جو دوزخ کی داروغہ اور کارکن ہے اور وہ ہر وقت دوزخ ہی میں رہتے ہیں اگرچہ دوزخ میں اُن پر عذاب نہیں ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے سامنے ہر وقت آگ اور دھواں ہے خون اور پیپ کا منظر ہے بڑی بڑی ڈراؤنی صورتیں ہیں سانپ و بچھو اور اژدھا وغیرہ ہیں اور ایک جماعت جنت کی کارکن ہے جہاں ہر وقت اُنکے سامنے مناظر حسنہ ہیں باغ اور پھول پھلواری ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہیں حسین جمیل صورتیں ہیں پھر جنتیوں کی صحبت ہے جو سب کے سب مہذب اور شائستہ ہیں اور زبانیۂ جہنم کو دوزخیوں سے پالا پڑتا ہے جنکی باتوں سے بھی لہنا نہیں ہر وقت لعن طعن گالم گلوچ ہی ہوگی کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا تو کیا دوزخ اور جنت کے محافظوں کے ان خارجی حالات میں کچھ بھی تفاوت نہیں ہے ضرور ہے پھر کیا زبانیۂ جہنم کو وہاں کچھ کلفت ہے ہرگز نہیں اگر اُنسے یہ کہا جاوے کہ خدا کی مرضی تو نہیں لیکن اگر تم چاہو تو تم کو جنت کا محافظ بنادیا جاوے جہاں

ایسے ایسے مناظر حسنہ ہیں باغات اور نہریں ہیں مہذب آدمیوں کی صحبت ہے لیکن مرضی خدا کی اسی میں ہے کہ تم دوزخ میں رہو جہاں ایسے مناظر کریہہ ہیں تو وہ یہی کہینگے ؎

بے تو جنت دوزخ است ای دلربا ۔۔۔ با تو دوزخ جنت است ای جانفزا

پھر جب ملائکہ میں ایک جماعت ایسی موجود ہے جو دوزخ میں رہنے پر ویسے ہی راضی ہے جیسا کہ جنت کے محافظ جنت میں رہنے پر تو اگر انسانوں میں عشاق کی جماعت اس شان کی ہو تو اسپر تعجب کیا ہے کیونکہ انسان میں تو عشق و محبت کا مادہ سب سے زیادہ ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عشق و محبت انسان ہی میں ہے الغرض یہ مبالغہ شاعرانہ نہیں ہے سچا کلام ہے اور محقق کا کلام ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے مبالغہ شاعرانہ پر مجھے اپنی ایک حکایت یاد آئی جب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا تو اسوقت ہم لوگ مثنوی حضرت سے پڑھا کرتے تھے ایک مرتبہ مطالعہ میں یہ شعر آیا جسمیں توحید کا مضمون ہے ؎

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد ۔۔۔ آنچہ ناپیداست ہرگز گم مباد

اس شعر پر میں بہت چکرایا کیونکہ آنچہ ناپیداست سے مراد اسمیں حق تعالیٰ ہیں چنانچہ پہلے اشعار سے یہ بات واضح ہو جائے گی مولانا نے اس سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اُسکے فاعل حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے عَلَم پر شیر کی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے جب ہوا سے جھنڈا اٹھتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیر حملہ کر رہا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ شیر نہ حرکت کر سکتا ہے نہ حملہ بلکہ ہوا کی وجہ سے اسکو حرکت ہوتی ہے اور حرکت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیر حملہ کر رہا ہے لیکن ہوا ہمکو نظر نہیں آتی بلکہ ظاہر میں وہ تصویر ہی متحرک معلوم ہوتی ہے یہی مثال ہماری ہے کہ ہم حقیقت میں محض ہیچ ہیں مگر حق تعالیٰ کے فعل کیوجہ سے ظاہر میں ہم فاعل معلوم ہوتے ہیں ؎

ما ہمہ شیراں ولے شیر علم ۔۔۔ حملہ شاں از باد باشد دمبدم

اسکے بعد فرماتے ہیں ؎

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد ۔۔۔ آنچہ ناپیداست ہرگز گم مباد

یعنی شیروں کا حملہ کرنا تو ظاہر ہے مگر ہوا جو اُنکو حرکت دے رہی ہے ناپیدا ہے یعنی مخفی ہے آگے فرماتے ہیں کہ جو چیز مخفی ہے خدا کرے وہ کم نہو۔ تو اسمیں ناپیدا سے مراد حق تعالیٰ ہیں اسپر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے یہ دعا کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ ہرگز کم مباد تو میں یہ سمجھا کہ مولانا نے محبت کے جوش میں محض شاعرانہ طریقہ پر یہ دعا کی ہے جیسے شبان موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ایسے ہی مضامین مذکور ہیں کہ وہ محض غلبۂ محبت میں حق تعالیٰ کی شان میں ایسی باتیں کر رہا تھا جو محبوبانِ مجازی کے مناسب ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ اُنسے پاک ہیں اسی طرح حق تعالیٰ اس دعا سے بھی مستغنی ہیں مگر محض غلبۂ محبت میں مولانا نے یہ فرمادیا کہ جو چیز مخفی ہے خدا کرے وہ کم نہو یعنی اللہ میاں ہمیشہ سلامت رہیں غرض میں اس شعر میں تاویلیں کرتا تھا لیکن کوئی بات دلکو نہ لگتی تھی۔ کیونکہ یہ سب تاویلیں مولانا کے مرتبہ سے بعید تھیں مولانا اگرچہ بہت بڑے صاحبِ حال ہیں مگر شبان موسیٰ کی طرح ایسے مغلوب الحال بھی نہیں ہیں جب حضرت حاجی صاحب کے سامنے درس شروع ہوا تو آپنے اس شعر کو سنکر بطور تفسیر کے ایک کلمہ ایسا فرمادیا جس سے سارے اشکالات ختم ہوگئے اور معلوم ہوا کہ یہ مضمون شاعرانہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے ؎

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد | انچہ ناپیداست ہرگز کم مباد

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں اے از دلِ ما۔ سبحان اللہ اس ایک کلمہ سے شعر میں جان پڑگئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شعر میں تو جان پڑی ہوئی تھی مگر ہم نہ سمجھے تھے حاجی صاحب کے ارشاد سے حقیقت ظاہر ہوگئی یعنی مطلب یہ ہے کہ جو چیز مخفی ہے خدا کرے وہ ہمارے دلوں سے کم نہو اب کوئی اشکال نہ رہا اور معلوم ہوگیا کہ محقق کا کلام محقق ہی ہوتا ہے البتہ اُسکے سمجھنے کیلئے بھی محقق ہونا ضروری ہے اسی طرح اس شعر میں بھی مبالغہ نہیں ہے ؎

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا | با تو دوزخ جنت است اے جانفزا

کیونکہ بہادری تو جب ہو کہ دوزخ میں اُسکو عذاب بھی ہو اور اس شخص کے لئے رضائے الٰہی

کیساتھ دوزخ میں عذاب ہی نہیں کیونکہ اُسکے نزدیک تو عذاب نام فراق کا ہے اور جب خدا تعالیٰ کی رضا اُسکو دوزخ میں بھی حاصل ہے تو فراق کہاں یہ تو عین وصل ہے غرض عاشق کے نزدیک ظاہری تکالیف کا نام عذاب ہے ہی نہیں وہ تو صرف فراق اور ناراضی محبوب کو عذاب سمجھتا ہے حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

شنیده ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت — فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر — کنایتیست کہ از روزگار ہجراں گفت

اور راز اس میں یہ ہے کہ رضا و تفویض و محبت و معیت کی لذت میں وہ آلام و تکالیف ایسے مغلوب ہوجاتے ہیں کہ اونکا اثر معتد بہ محسوس نہیں ہوتا پس اگر فرشتوں کو جہنم میں عذاب ظاہری بھی ہوتا تب بھی وہ اسپر راضی ہوتے کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا اسی میں ہوتی اور وہ مقبول بندے رضا کے طالب ہیں مگر اُن پر تو عذاب بھی نہیں ہے غرض اُنکے نزدیک جہنم میں رہنا ویسا ہی ہے جیسا کہ جنت میں رہنا۔ مقصود میرا اس بیان سے یہ تھا کہ اصل مضرت خدا تعالیٰ کی ناراضی ہے اسکے سامنے دنیا کا نفع و نقصان کوئی چیز نہیں پس بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر نیت اچھی ہو اور کسی کا نفع ہو تو سفلی عمل بھی جائز ہے جس میں شیاطین سے استعانت ہوتی ہے یہ خیال بالکل غلط ہے اسی طرح آجکل یہ مرض پیدا ہوا ہے کہ بعض لوگ گناہوں کے متعلق وجہ دریافت کیا کرتے ہیں کہ سود کیوں حرام ہوا اس میں کیا خرابی ہے جان بیمہ کیوں ناجائز ہے اس میں تو بڑا نفع ہے سو یاد رکھو کہ اس سوال کا کسی مسلمان کو حق نہیں مسلمان کیلئے اتنی وجہ کافی ہے کہ حق تعالیٰ اس فعل سے ناراض ہیں۔ عاشق کو اتنی بات معلوم کر لینے کے بعد کہ محبوب اس بات سے ناراض ہوتا ہے کسی اور وجہ کا انتظار نہیں ہوتا پھر مسلمانوں کو گناہوں کے متعلق علل اور اسباب کی تلاش کا انتظار کیوں ہے اور اگر تم عاشق نہیں بنتے تو خدا کے غلام تو ہو اب خود ہی انصاف کر لو کہ اگر تمھارا کوئی نوکر یا غلام تم سے یہ دریافت کرنے لگے کہ آپ فلاں کام سے کیوں ناراض ہوتے ہیں اسکی وجہ پہلے بتلا دیجئے تب میں اس کام سے باز آؤنگا ورنہ میں اپنی رائے پر عمل کرونگا تو آپ اُسکے ساتھ کیا برتاؤ کرینگے افسوس تم تو اُس غلام سے بھی گئے گذرے

جسکو ایک شخص نے خرید کیا اور پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اُس نے کہا کہ ابتک خواہ کچھ ہی
نام تھا لیکن اب سے تو وہی نام ہے جس سے آپ پکاریں آقا نے پوچھا کہ تو کیا کھاتا ہی
کہنے لگا کہ جو حضور کھلا وینگے وہی کھاؤنگا جو آپ پہنا وینگے وہی پہنونگا افسوس ہم خدا کی
ساتھ اتنا بھی برتاؤ نہیں کرتے اور اُسکے احکام میں علتیں ڈھونڈھتے ہیں آجکل اکثر
نو تعلیم یافتہ اس میں مبتلا ہیں کہ اُنکو یہ جواب کافی نہیں ہوتا کہ سود اسواسطے حرام ہے کہ
خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہیں بلکہ وہ اسکی عقلی علت معلوم کرنا چاہتے ہیں اور جبتک علت
معلوم ہو اُسوقت تک اُنکی تسلی نہیں ہوتی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں تو سود کے مذموم
ہونیکی علت یہ نہیں تسلیم کرتا کہ اس سے دوزخ میں جانا ہوگا بلکہ میں تو اسواسطے اُسے حرام
سمجھتا ہوں کہ اس میں بیمروتی بہت زیادہ ہی کہ اپنے ایک بھائی کو دیئے تو تھے سَوْ روپیہ
اور لیلیئے دو سَوْ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ علت ایسی ہے جسکو ذرا سے تامل کے بعد ہر عاقل توڑ
سکتا ہے کیونکہ ذہین آدمی یہ کہسکتا ہے کہ ایسی بیمروتی تو ہر تجارت میں ہے مثلاً ہمنے ایک
کپڑا خریدا تو دس روپے میں اور اُسکو فروخت کرنے لگے بیس روپیہ میں یہ بھی بیمروتی ہی
ایک مکان ہمنے تیار کیا دو ہزار میں اور بیچنے لگے دس ہزار میں یہ بھی بیمروتی ہے اسی طرح
ایک جائداد ہمنے خرید کی تھی ہزار میں اور فروخت کرنے لگے پندرہ ہزار میں اب وہ شخص
جو سود کو محض بیمروتی کیوجہ سے مذموم سمجھتا ہے ان صورتوں میں اور سود کی صورت میں
کوئی فرق عقلی بیان کرے سو ہرگز وہ کوئی فرق عقلی نہ بیان کرسکے گا۔ چنانچہ کفار مکہ کو بھی
یہی شبہ پیش آیا تھا اُنکو بھی یہی حیرت تھی وہ کہتے تھے انما البیع مثل الربوا۔ کہ
ربوا اور بیع میں کیا فرق ہے دونوں ظاہر میں یکساں معلوم ہوتے ہیں تو اب وہ علت کہاں
رہی قرآن میں اسکا جواب جو دیا گیا ہے وہ سننے کے قابل ہے حق تعالیٰ نے عقلی وجہ
فرق کوئی نہیں بیان فرمائی بلکہ یہ فرق بیان فرمایا۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
کہ دونوں یکساں کیونکر ہوسکتے ہیں بلکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہی کہ حق تعالیٰ
نے بیع و تجارت کو تو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے اور حق تعالیٰ مالک ہیں انہیں
اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کردیں اور جسکو چاہیں حرام کردیں کسی کو وجہ دریافت

کرنے کا کوئی حق نہیں۔ علماء کو چاہیئے کہ ایسے سوالات کے جواب میں قرآن کا طرز اختیار
کیا کریں۔ عوام کا مذاق علماء نے بھی خراب کردیا ہے کہ جب اُنسے ایسے سوالات کیے
جاتے ہیں تو وہ عوام کی مرضی کے موافق جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں سو یاد رکھو
جو لوگ علتیں گھڑ کر بتلاتے ہیں وہ شریعت کی جڑ کھوکلی کرتے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جو علت
وہ بتلاویں اُسکو کوئی ذہین آدمی مخدوش کردے اور جب آپنے حرمت کا مدار اُسی
علت پر رکھا تھا تو اُسکے مخدوش ہونیکے بعد حکم بھی مخدوش ہوجائے گا۔ میں علماء کو
وصیت کرتا ہوں کہ عوام کا ایسا اتباع نکریں کہ اسمیں عوام کا بھی نقصان ہے اور علماء کا
بھی اور شریعت کی بنیاد بھی کمزور ہوتی ہے بلکہ جب کوئی اُنسے یہ پوچھے کہ فلاں کام
کے حرام ہونیکی علت کیا ہے تو صرف اتنا جواب دیدیا کریں کہ حق تعالیٰ نے اس سے
منع کیا ہے یا حدیث میں اسکی ممانعت آئی ہے۔ بعض لوگ سوال میں یہ قید لگا دیتے ہیں
کہ اسکا ثبوت قرآن سے دیا جاوے اور علماء بھی خواہ مخواہ اسکی کوشش کرتے ہیں کہ
اُسکو قرآن ہی سے ثابت کیا جاوے حالانکہ جب اصول شریعت چار ہیں کتاب و
سنت و اجماع امت و قیاس تو ہر عالم کو حق ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو قرآن سے ثابت
کردے یا حدیث سے یا اجماع سے یا قیاس مجتہد سے آخر تمام مسائل کو قرآن سے آپ
کہانتک ثابت کرینگے۔ اگر تمام مسائل قرآن سے معلوم ہو سکتے تو پھر دوسرے حجج شرعیہ
کی ہی ضرورت کیوں ہوتی بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں ہر چیز ہے یہانتک
کہ وہ ریل اور تار وغیرہ کا ثبوت بھی قرآن سے دینے لگے حالانکہ قرآن میں ہر چیز کے
بیان ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ورنہ پھر کپڑا بننے کی ترکیب مشینیں اور کلیں بنانیکا
طریقہ بھی قرآن میں ہونا چاہیئے تو پھر قرآن کیا ہوا وہ تو صنعتوں کی کتاب ہوئی بھلا
اگر کوئی شخص طب اکبر میں جوتا سینے کی ترکیب ڈھونڈھنے لگے وہ احمق ہے یا نہیں
اور اگر طب اکبر میں ایسی ترکیبیں بھی لکھی ہوتیں تو اُسکو طب کی کتاب ہرگز نہ کہتے طب اکبر
میں ایسی باتوں کا ہونا اُسکے لیے عیب ہے اسی طرح قرآن میں جو کہ طب روحانی کی
کتاب ہے ایسی فضولیات کا ہونا اُسکے لیئے کمال نہوگا بلکہ عیب ہوگا۔ قرآن میں

دین کی سب باتیں مذکور ہیں مگر یہ ضرور نہیں کہ سب صراحۃً مذکور ہوں بلکہ اُسمیں قواعد کلیہ مذکور ہیں جس سے مجتہدین مسائل جزئیہ استنباط کرلیتے ہیں چنانچہ ایک قاعدہ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمکو جو کچھ (حکم) دیں اسکو لیلو اور جس بات سے منع کردیں اُس سے باز رہو تو اب جتنے احکام احادیث نبویہ سے ثابت ہیں وہ سب اس قاعدہ کی جزئیات ہیں لہذا ہمکو حق ہے کہ بعض احکام کا ثبوت احادیث سے دیدیں۔ نیز قرآن میں ایک قاعدہ یہ بھی مذکور ہے فاعتبروا یا اولی الابصار اے بصیرت والو! اعتبار حاصل کرو۔ اور اعتبار کہتے ہیں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کرنیکو اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام قیاس سے بھی ثابت ہوتے ہیں و علی ہذا القیاس پھر ہمکو اس پابندی کی کیا ضرورت ہے کہ ہر مسئلہ کا جواب قرآن ہی سے دیں۔ آجکل ایک فرقہ قرآنیہ پیدا ہوا ہے جو قرآن کے سوا کچھ نہیں مانتے یہ غیر مقلدوں سے بھی بڑھ گئے وہ تو قیاس ہی کو نہ مانتے تھے انہوں نے حدیث کو بھی اڑا دیا اس فرقہ کے ایک عالم سے یہ پوچھا گیا کہ عدد رکعات کا ثبوت قرآن سے دو کیونکہ قرآن میں تو مطلق نماز کا حکم ہے اور بعض آیات میں نماز کے اوقات بھی اشارۃً مذکور ہیں لیکن عدد رکعات کہ صبح کی دو رکعتیں فرض ہیں اور ظہر کی چار اسکا بیان قرآن میں کہیں بھی نہیں تو تم لوگ یہ عدد کہاں سے سمجھے ہو اگر احادیث سے سمجھے ہو تو احادیث کا حجت ہونا مسلم ہوگیا ورنہ قرآن میں دکھلاؤ کہ یہ اعداد کہاں مذکور ہیں اُسنے ایک دن کی مہلت مانگی۔ اسی سے اُنکے مذہب کا لچر ہونا معلوم ہوگیا کہ ابھی تک عدد رکعات کی دلیل بھی معلوم نہیں اور عمل پہلے ہی سے شروع کردیا۔ غرض اگلے دن انہوں نے بہت سوچ ساچ کر یہ آیت پڑھی الحمد للہ فاطر السموات والارض جاعل الملئکۃ اولی اجنحۃ مثنی وثلث وربٰع۔ تمام حمد اللہ کیلئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے فرشتوں کو بازو والا بنانیوالا ہے دو دو اور تین تین اور چار چار یہ دلیل تھی نماز کی رکعتوں کے اثبات کی

سبحان اللہ وہی مثال ہوئی ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ بھلا اس آیت میں فرشتوں کی بازوؤں کی شمار کا ذکر ہے یا رکعات صلوٰۃ کے عدد کا۔ اگر محض عدد کا ذکر ہی اُسکے لئے کافی ہے تو ایک یہی آیت کیا اور بھی آیتیں ایسی ملجائینگی چنانچہ ارشاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع۔ یہاں بھی وہ عدد مذکور ہے جو پہلی آیت میں ہے۔ باقی اس سے تو کوئی غرض ہے ہی نہیں کہ یہ عدد کس چیز کا ہے نماز کا ہے یا فرشتوں کے بازوؤنکا یا منکوحہ عورتونکا استغفر اللہ العظیم غرض علماء کو یہ طرز اختیار نکرنا چاہیئے کہ ہر مسئلہ کا قرآن سے ثبوت دینے کی کوشش کریں یا ہر مسئلہ کی عقلی علت بیان کریں کیونکہ بعض جگہ آپکو علت ہی نملے گی یا ملے گی مگر کمزور ہوگی تو اس طرز سے گویا آپ شریعت کی جڑ کو کھوکلی کرنا چاہتے ہیں ایک صاحب نے مجھسے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک جنٹلمین کو میں نے نصیحت کی کہ تم داڑھی کیوں منڈاتے ہو یہ گناہ ہے اس سے توبہ کرنی چاہیئے وہ کہنے لگے کہ داڑھی کا ثبوت تم قرآن سے اگر دیدو تو میں ابھی توبہ کرونگا میں نے کہا کہ قرآن سے داڑھی کا ثبوت میں دیسکتا ہوں چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی قال یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی۔ ہارون علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی ورنہ موسیٰ علیہ السلام اسے کس طرح پکڑتے۔ میں نے ان حضرت سے یہ کہا کہ اگر وہ شخص تمسے یہ سوال کرتا کہ اس آیت سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی وجوب تو ثابت نہوا کہ اُس کا رکھنا واجب ہو تو تم کیا جواب دیتے اور وجود ثابت کرنے کے لئے تمنے قرآن کو کیوں تکلیف دی اپنی ہی داڑھی دکھلا دی ہوتی کہ لو میری داڑھی دیکھ لو اس سے وجود ثابت ہوگیا وہ کہنے لگے کہ ابھی اُسکو اتنی عقل تھوڑا ہی تھی کہ وہ یہ سوال کرسکتا میں نے تو اُسکو ڈرا ہی لیا۔ میں نے کہا کہ بس یہی فرق ہے ہم طالبعلموں میں اور آپ میں ہم ایسی دلیل کبھی نہیں بیان کرسکتے جو خود ہمارے نزدیک بھی مخدوش ہو۔ ہماری تو زبان ہی ایسی دلیل پر نہیں چلتی ہم تو حتی الامکان وہی بات منہ سے نکالتے ہیں جو

دنیا بھر کے عقلاء سے نہ ٹوٹ سکے گو مخاطب کے مذاق کے موافق نہو۔ پس خوب سمجھ لیجئے کہ یہ طرز شریعت کیلئے بہت ہی ضرر رساں ہے یہ لوگ اپنے دل ہی میں خوش ہوتے ہونگے کہ ہمنے شریعت کیساتھ دوستی کی مگر انکی یہ دوستی ویسی ہی ہے جیسے ریچھ کی دوستی مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک ریچھ پالا تھا اور اُسے پنکھا جھلنا سکھایا تھا کہ جب آقا سو جاتا وہ کھڑا ہوکر اسے پنکھا جھلا کرتا تھا بعض دوستوں نے اُسے منع بھی کیا کہ جانور کا اعتبار نہیں اُس سے ایسی خدمت نہ لینی چاہیئے کہ خود سو جاؤ اور اُسے آزاد چھوڑ دو۔ کہنے لگا کہ نہیں صاحب یہ تعلیم یافتہ ہے (یعنی اب یہ مہذب اور شائستہ ہوگیا ہے وحشی نہیں رہا) اب اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ ایک دن یہ آقا صاحب پڑے سو رہے تھے اور ریچھ حسب معمول پنکھا جھل رہا تھا کہ ایک مکھی اسکی ناک پر آکر بیٹھی ریچھ نے اُسکو اڑا دیا وہ پھر آبیٹھی بعض مکھی ایسی لیچڑ ہوتی ہے کہ جتنا اسکو اڑاؤ وہ باز ہی نہیں آتی بار بار آکر بیٹھ جاتی ہے چنانچہ اُس مکھی نے ریچھ کو تنگ کردیا وہ اڑاتا اڑاتا تھک گیا مگر وہ پھر آموجود ہوتی تھی یہانتک کہ ریچھ کو غصہ آگیا اور اُسنے پنکھا ڈال کر ایک بڑا سا پتھر تلاش کیا کہ اب کے اگر یہ مکھی آویگی تو میں اس پتھر سے اُسکو مار ڈالونگا چنانچہ وہ مکھی پھر آئی اور ریچھ نے تاک کر ایک بڑا سا پتھر آقا کی ناک پر مارا مکھی تو معلوم مری یا نہیں مگر آقا کے دماغ کا بھرتہ ہوگیا توجس طرح اس ریچھ نے اپنے نزدیک تو آقا کی خدمت ہی کی تھی اور اُسکا ارادہ موذی کو مارنیکا تھا اُسنے آقا کو ہلاک کرنا نچاہا تھا مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ دوستی حقیقت میں آقا کی ساتھ دشمنی تھی اسی طرح آج کل ہمارے یہ نادان بھائی شریعت کیساتھ ریچھ کی سی دوستی کر رہے ہیں اور اصل راز ایسے گستاخانہ سوالات کا یہ ہے کہ لوگوں میں آجکل عجب و کبر غالب ہے انقیاد کا مادہ مفقود ہوتا جاتا ہے اسی لئے احکام شرعیہ کو عبدیت کے طور پر ماننے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور ایک احکام شرعیہ ہی میں کیا اس عدم انقیاد اور عجب و کبر کا مذاق ہر معاملہ میں جھلک رہا ہے حتیٰ کہ اگر کبھی امر میں اپنی کوئی غلطی بھی محسوس ہوجاوے اور اوس غلطی کے اعتراف کے لئے آمادہ بھی ہوجاویں تو اوسکا طرز بھی ایسا تجویز

کیا ہے جس سے ذرہ برابر ندامت و تواضع نہیں معلوم ہوتی بس چند الفاظ ضابطہ کے دُھر الینا کافی سمجھتے ہیں اور شان کی اوسمیں بھی حفاظت رکھی جاتی ہے چنانچہ آجکل کی تہذیب میں معافی چاہنے کا ایسا ہی عجیب طریقہ مشاہد ہے کسی کمبخت کا انکے ہاتھ سے کیسا ہی نقصان ہوجائے بس یہ اتنا کہکر چھوٹ گئے کہ میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کا نقصان ہوگیا سبحان اللہ کسی کے جوتے مار لیئے اور یہ کہکر الگ ہوگئے کہ میں افسوس کرتا ہوں۔ مجھے اسپر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص کی ڈاڑھ میں درد تھا وہ ڈاکٹر کے پاس گئے کہ اس ڈاڑھ کو نکالدو۔ معلوم ڈاکٹر سے کیا غلطی ہوئی کہ اُسنے وہ ڈاڑھ تو نہ نکالی اُسکے بجائے ایک اچھی داڑھ نکالدی جسکے نکالتے ہی یہ شخص فوراً اندھا ہوگیا۔ اسنے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپنے یہ کیا کیا۔ وہ بولے کہ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھسے غلطی ہوگئی۔ اُس غریب کی تو آنکھ گئی اور انہوں نے افسوس کرکے بزعم خود اسکی تلافی کردی۔ پھر غضب یہ کہ افسوس بھی دل سے نہیں کرتے انکا لہجہ افسوس میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے فرعونیت ٹپکتی ہے۔ کانپور میں ایک طالب علم نے ایک مدرس کی شان میں گستاخی کی تھی۔ مقدمہ میرے پاس آیا میں نے اُس سے کہا کہ اُستاد سے معافی مانگو ورنہ تم کو مدرسہ سے نکالدیا جائیگا وہ معافی چاہنے پر راضی ہوا مگر معافی چاہنے کی صورت یہ تھی کہ آپ دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے کرکے تن کر کھڑے ہوگئے اور زبان سے کہا کہ میں آپسے معافی چاہتا ہوں مجھے یہ صورت دیکھکر غصہ آگیا میں نے دو تین طمانچے لگائے کہ گستاخ یہ طریقہ ہوتا ہے معافی چاہنے کا آگے ہاتھ جوڑ پیر پکڑ ورنہ ابھی مدرسہ سے نکالدونگا یہ آجکل کی تہذیب کا اثر ہے جو افسوس ہے کہ طلبہ اور علماء میں بھی سرایت کرگیا ہے۔ معافی اسطرح چاہتے ہیں جسمیں ندامت نام کو بھی نہیں ہوتی خیر یہ تو استطراداً ذکر آگیا تھا میں یہ بیان کررہا تھا کہ آجکل لوگوں میں یہ خبط ہے کہ ہر چیز کو قرآن میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ ایک قصہ یاد آیا اہل سائنس نے یہ تحقیق کیا ہے کہ انسان کی منی میں ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے اُس سے حمل قرار پاتا ہے۔ ایک صاحب کو اس کی فکر ہوئی کہ قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کیا جائے کیونکہ سائنس والوں کی تحقیق تو غلط

ہوہی نہیں سکتی وہ تو یقیناً صحیح ہے ہی بس کسی طرح اسکو قرآن میں ٹھونسنا چاہیے استغفر اللہ
العظیم غرض انہوں نے کھینچ تان کر اسکو قرآن سے ثابت کیا اب سنئیے کیا خوبصورت
استدلال ہے۔ آپنے اس آیت سے ثبوت دیا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ عَلَق کے معنے لغت میں خون بستہ بھی ہیں اور جونک کو بھی علق کہتے
ہیں آپنے یہ تفسیر کی کہ خدا نے پیدا کیا انسان کو جونک سے۔ کیا واہیات ہے۔ بھلا انسے
کوئی پوچھے کہ اس تفسیر سے سائنس کا مسئلہ کیونکر ثابت ہوگیا کیونکہ وہ لوگ تو اسکے
قائل نہیں ہیں کہ انسان کی منی میں جونک ہوتی ہے ہاں اسپر ایک حاشیہ اور لگایا جائیگا
کہ جونک سے مراد وہ نہیں ہے جسے عام لوگ جونک کہتے ہیں بلکہ مطلق کیڑا مراد ہے
بس یہ تفسیر کرکے وہ صاحب خود ہی اپنے جی میں خوش ہولئے ہونگے۔ تو آپنے دیکھا
کہ اس طرز میں شریعت کی کسقدر تحریف لازم آتی ہے اور اس سے احتراز کسقدر ضروری
ہے۔ اگر کوئی ایسے مسائل کا ثبوت قرآن سے مانگے تو اس سے صاف کہدینا چاہیئے
کہ قرآن علم تشریح کی کتاب نہیں ہے اسی طرح جب کسی چیز کے حرام ہونیکی وجہ دریافت
کیجائے تو بس یہی جواب دیا جائے کہ خدا نے اسکو منع کیا ہے۔ خوامخواہ اپنی طرف سے
علتیں نہ گھڑنا چاہئیں بعض لوگ کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم سے استدلال کرتے
ہیں کہ حدیث میں اسکا امر ہے کہ لوگوں کی عقل کے اندازہ سے کلام کیا کرو۔ اور جب
آجکل طبائع کا حال یہ ہے کہ بدون عقلی علت معلوم کئے انکو تسلی نہیں ہوتی تو ہم کو
اسی طرز سے کلام کرنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ آپنے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا
حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے سامنے ایسی تدقیقات اور باریک باریک مضامین
نہ بیان کرو جو انکی سمجھ میں نہ آسکیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تم انکے مذاق فاسد کی رعایت
کیا کرو اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ امور محرمہ کی علت واضح اور سہل کونسی ہے اور باریک
اور دقیق کونسی ہے۔ ظاہر ہے کہ جواب سب سے زیادہ سہل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس
سے منع کیا ہے اسلئے یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسکی ممانعت آئی ہے اسلئے ایسا
کرنا گناہ ہے اور جو علتیں اور حکمتیں آپ اپنی طرف سے گھڑتے ہیں درحقیقت وہی عوام کی

عقول سے باہر ہیں تو اس حدیث سے بھی میری ہی تائید ہوتی ہے رہا یہ کہ عوام کی اس
جواب سے تسلی نہیں ہوتی تو آپ اُنکی تسلی کے ذمہ دار نہیں ہیں آپکو وہی جواب دینا چاہیئے
جو اصلی اور حقیقی جواب ہے کہ خدا نے ہم کو اس سے منع کیا ہے یہ ایسا جواب ہے کہ قیامت
تک اسپر کوئی جرح نہیں ہو سکتی اور اگر عقلی جواب دینے کا ایسا ہی شوق ہو تو اسکا طریقہ
یہ ہے کہ پہلے اس حقیقی جواب کو بیان کردو اور کہدو کہ جواب اصلی تو یہی ہے پھر اسکے بعد
تبرعاً عقلی جواب بھی بیان کردو تاکہ اگر اُسپر کوئی جرح کردے تو پہلا جواب تو جرح سے
سالم رہیگا اور حکم شرعی کا مدار آپکی بیان کردہ حکمت پر تو نہوگا - ایک مرتبہ میں ریل میں سفر کر رہا
تھا اتفاق سے ایک جنٹلمین صاحب بھی گاڑی میں اُسی درجہ میں رونق افروز تھے ایک
اسٹیشن پر پہونچکر اونکا ایک ملازم ایک کتا اونکے سپرد کر گیا جسکو اونہوں نے ایک سینچہ
سے باندھدیا جب گاڑی چلی تو میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میری سمجھ میں یہ
نہیں آتا کہ شریعت نے کتا پالنے سے کیوں منع کیا ہے حالانکہ اس میں ایسے ایسے
کمالات ہیں انہوں نے اُسکے وہ کمالات بیان کیے جو خود آقا صاحب میں بھی نتھے
میں نے کہا کہ اسکے دو جواب ہیں ایک جواب عام ایک جواب خاص جواب عام تو
یہ ہے کہ نہانا عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور حضور ہمسے زیادہ جاننے والے تھے اسلیئے ہمکو
اس کی تلاش کی ضرورت نہیں کہ حضور نے کیوں منع کیا اس جواب کو سنکر وہ ساکت
ہوگئے مگر اُنکے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جواب سے اُنکی تسلی نہیں ہوئی پھر
کہنے لگے کہ میں خاص جواب سننے کا بھی مشتاق ہوں - میں نے کہا کہ خاص جواب
یہ ہے کہ کتے میں جہاں بہت سے کمالات ہیں وہاں اس میں ایک عیب بھی اتنا
بڑا ہے جس نے اسکے سارے کمالات کو دھودیا ہے وہ یہ کہ اسمیں قومی ہمدردی
نہیں ہے اپنے آقا کی ساتھ چاہے کیسا ہی وفادار ہو مگر اپنی قوم سے اسکو ایسی
نفرت ہے کہ جہاں دوسرا کتا اسکو نظر پڑا اور یہ اُسکو پھاڑ کھانیکو دوڑا بس جس میں
قومی ہمدردی نہیں وہ پاس رکھنے کی قابل نہیں یہ جواب چونکہ اُنکے مذاق کے موافق تھا

کیونکہ یہ لوگ قومی ہمدردی کا سبق رات دن رٹا کرتے ہیں گو اسپر عمل کی توفیق نہو۔ اس جواب سے پھڑک اوٹھے اور کہنے لگے کہ بس جواب یہ ہے حالانکہ یہ جواب کچھ بھی نہیں محض لطیفہ ہے۔ پھر بریلی میں میں نے ایک تحصیلدار صاحب سے سنا کہ کالج علیگڈھ میں اس جواب کا بڑا چرچا ہے اور طلبہ کہتے ہیں کہ واقعی امت کو ایسے علما کی ضرورت ہے جو ایسی تحقیقات بیان کر سکیں ڈ لے پھر میں کہتا ہوں کہ وہی لوگ اس جواب سے خوش ہونگے ورنہ ہمارے نزدیک یہ جواب خاک بھی نہیں میں اس جواب پر خود جرح کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک کتا جو دوسرے کو دیکھکر بھونکتا ہے تو غور کرنا چاہئیے اسکا منشا کیا ہے آیا اسکا سبب اپنی قوم سے بیوفائی ہے یا آقا کی وفاداری۔ سو بظاہر آقا کی وفاداری اسکا سبب ہے وہ یہ سمجھکر اسپر بھونکتا ہے کہ یہ میرے آقا کا دشمن ہے چنانچہ اگر ایک شخص کے گھر میں دس کتے پلے ہوئے ہوں تو وہ آپس میں ایک دوسرے پر نہیں بھونکتے بلکہ وہ ہمیشہ اجنبی کتے پر بھونکتا ہے اور وہ بھی اُسوقت تک جبتک کہ مالک اُسکو روک نہ دے اور جہاں اُسنے روکا فوراً خاموش ہوجاتا ہے کیونکہ اب سمجھ جاتا ہے کہ یہ میرے مالک کا دشمن نہیں اُسے اس سے کچھ خوف نہیں پھر اُسکے بعد مالک کے پیر و نکو آکر لپٹ جاتا ہے اور ایسی خوشامدیں کرتا ہے جیسے کوئی بہت ہی بڑا عاشق ہوحتیٰ کہ اُسکی اس محبت سے طبیعت گھبرانے لگتی ہے کتے کی دشمنی بھی بڑھی اور زیادہ دوستی بھی بری۔ لیجیے جس جواب پر یہ لوگ اتنے خوش ہوئے تھے اُسکو میں نے خود ہی مجروح کر دیا۔ بخلاف پہلے جواب کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اسکے پالنے سے منع کیا ہے کہ اس جواب پر کوئی جرح ہو ہی نہیں سکتی۔ اب اگر کوئی ہمسے یہ پوچھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تمکو ہمسے اس سوال کا کوئی حق نہیں یہ سوال اگر تمہارے اندر ہمت ہو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لینا۔ ایک جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوتا ہے اور وہ قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اُس سے یہ سوال کرنیکا کسی کو حق نہیں کہ یہ قانون کیوں وضع ہوا۔ اور اگر کوئی ایسا بیہودہ سوال کرے تو وہ کہسکتا ہے کہ میں عالم قانون

ہوں واضع قانون نہیں ہوں۔ یہ سوال تمکو پارلیمنٹ یا مجلس واضعان قانون سے کرنا چاہیئے اور جج کے اس جواب کو تمام عقلاء معقول سمجھتے ہیں پھر اسکی کیا وجہ ہو کہ یہی جواب اگر علماء دیں تو وہ معقول نہو۔ ان پر جرح قدح کیوں کیجاتی ہے۔ علماء نے اسکا کب دعوی کیا ہے کہ ہم واضع قانون ہیں۔ بلکہ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ ہم صرف قانون کے جاننے والے ہیں ہمسے یہ سوال تم کر سکتے ہو کہ یہ قانون کہاں ہے ہم تمکو قرآن یا حدیث یا فقہ میں وہ قانون دکھلا دینگے باقی وضع قانون کی علت کو ہم نہیں جانتے یہ سوال واضع قانون سے کرو اور واضع قانون حق تعالی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی واضع نہیں ہیں آپ بھی صرف مبلغ ہیں آپ کی تو یہ شان ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود + گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اور حضور کے سامنے علماء کی یہ حالت ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند + انچہ استاد ازل گفت بگو می گویم

اور اسکے یہ معنی نہیں کہ ان احکام میں حکمت نہیں ہے حکمت ہے اور ضرور ہے اور بعض کو علما جانتے بھی ہیں مگر یہ کیا ضرور ہے کہ تمکو بتلا بھی دیں۔ ہمارے پاس گنی ہے مگر ہم تمکو نہیں دیتے کسی کا کیا اجارہ ہے۔ غرض ہم واضع قانون نہیں ہیں جو قانون کی علتیں بتلانا ہمارے ذمہ ضروری ہو ہم تو اتنی بات جانتے ہیں کہ خدا تعالی نے سود کو حرام کیا ہے اسلئے وہ حرام ہے اگر یہ سوال کرو کہ کہاں حرام کیا ہے اسکا جواب البتہ ہمارے ذمہ ہے ہم کہدینگے حق تعالی نے فرمایا ہے وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ایک صاحب نے سود کے حرام ہونیکی علت یہ سمجھی تھی کہ اس میں بیمروتی ہے سو یہ علت علت نہیں کیونکہ اس طرح تو ہر تجارت میں بیمروتی ثابت کیجا سکتی ہے بلکہ اصل علت وہی ہے جو میں نے بتلائی۔ بعض لوگ اپنی طرف سے احکام کی علتیں تراشکر غلہ کی تجارت کو حرام سمجھنے لگے سو یہ بالکل غلط ہے۔ غلہ کی تجارت ویسی ہی ہے جیسے اور چیزوں کی تجارت اس میں کچھ حرج نہیں رہا یہ کہ اسمیں گرانی کا انتظار ہوتا ہے سو میں کہتا ہوں کہ گرانی کا طبعی انتظار ہونے میں بھی

کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں زیادہ گرانی کی دعا مانگنا یا تمنا کرنا بُرا ہے باقی اپنے نفع کی دعا کرنا یہ جائز ہے گو اسمیں گرانی کی تمنا بھی لازم آتی ہے اور فقہاء نے جو احتکار کو منع کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ قحط کے زمانہ میں غلہ کا روکنا جبکہ بستی میں غلہ ملتا ہی نہو اور لوگوں کو تکلیف ہونے لگے اُسوقت حرام ہے اور اگر دکانوں پر غلہ ملتا ہو تو روکنا حرام نہیں ہے غرض یہ جو مشہور ہے کہ نفع کی امید میں بھی غلہ کا روکنا حرام ہے یہ صحیح نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہمنے اپنی طرف سے علتیں گھڑ گھڑ کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رکھا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے غلہ کی تجارت بالکل نکل گئی اور صرف ہندو ؤں کے ہاتھ میں رہگئی ہے اگر آج وہ مسلمانوں کے ہاتھ غلہ بیچنا موقوف کردیں تو وہ نہایت پریشان ہوجائیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر شہر اور گانوں اور قصبہ میں غلہ کی تجارت کرنیوالے مسلمان بھی ہو جانے چاہئیں تاکہ کسی وقت مسلمانوں کو پریشانی لاحق نہو۔ غرض مصلحت و حکمت کا اول تو علماء ہی کو معلوم ہونا ضرور نہیں پھر اگر معلوم بھی ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں بتلاتے بھلا اگر تم ڈاکخانہ میں جاکر بابو سے یہ پوچھو کہ ایک تولہ کا محصول کیا ہے اور وہ تمکو بتلادے کہ تین پیسے محصول ہے پھر تم اس سے یہ سوال کرو کہ تین پیسے محصول ہونیکی کیا وجہ تو وہ اسکے جواب میں کیا کہیگا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہی کہے گا کہ صاحب میں قانون کے مطابق کام کرنیوالا ہوں اگر تم تین پیسے سے کم کے ٹکٹ لگاؤ گے میں لفافہ کو بیرنگ کردونگا آگے میں کچھ نہیں جانتا کہ اسکی وجہ کیا ہے اور کیا نہیں ہاں اگر تمکو میرے کہنے کا اعتبار نہو تو میں تمکو قواعد ڈاک کی کتاب میں دکھلا سکتا ہوں کہ ایک تولہ کا محصول وہی ہے جو میں نے بتلایا اس سے زیادہ تم مجھسے سوال نہیں کرسکتے۔ افسوس ہے کہ ڈاکخانہ کا بابو یہ جواب دیدے تو سب اُسکو تسلیم کرلیں اور علماء کے ایسے ہی جواب کو تسلیم نکیا جاوے آخر دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے۔ مگر آجکل تو ہر شخص دین کے بارہ میں اپنے کو مجتہد سمجھتا ہے کہ اپنی عقل سے علتیں گھڑ کر اُن پر احکام کا مدار سمجھتے ہیں چنانچہ بعض کا مقولہ سنا گیا ہے کہ نماز کے لئے وضو اس لئے فرض کیا گیا تھا کہ اہل عرب اونٹوں کے چرانیوالے

وحشی لوگ تھے اُنکے سر پر غبار اور ہاتھ پیر پر پیشاب کی چھینٹیں بھی پڑتی تھیں اسلئے اُنکو حکم کیا گیا کہ نماز سے پہلے وضو کیا کرو چنانچہ وضو میں انہی اعضاء کا دھونا فرض بھی کیا گیا جو اکثر کام کاج میں ملوث ہو جاتے ہیں باقی ہم لوگ تو مہذب ہیں اکثر اوقات دستانہ اور موزے چڑھائے رہتے ہیں پھر شیشہ دار مکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں ہمارے ہاتھ پیر ونکو گرد بھی نہیں پہونچتی اسلئے ہم پر وضو فرض نہیں - یہ دلیل ویسی ہی ہے جیسے ایک سرحدی پٹھان نے بیان کی تھی - ایک سرحدی ریل سے اترا تو اسکی بغل میں دو من کا ایک بورا بھی تھا جسکی بلٹی وغیرہ اُسنے کچھ نکرائی تھی جب ٹکٹ دینے لگا تو بابو نے کہا کہ اس بورے کی بلٹی لاؤ کہنے لگا کہ بلٹی کیا ہوتا ہے بابو نے کہا کہ اس سامان کا ٹکٹ اسنے پھر وہی ٹکٹ دکھا دیا جو پہلے دکھایا تھا بابو نے کہا کہ یہ تو تمھارا ٹکٹ ہے اسکا ٹکٹ لاؤ وہ کہنے لگا کہ نہیں یہی ٹکٹ ہمارا ہے اور یہی ٹکٹ اسکا ہے بابو نے کہا کہ پندرہ سیر سے زیادہ سامان کیلئے دوسرا ٹکٹ ہونا چاہیئے - تو آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہی پندرہ سیر ہے ریلوے نے پندرہ سیر کا جو قانون مقرر کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جسقدر سامان آدمی بلا تکلف خود اٹھا سکے وہ معاف ہے اور ہندوستانی آدمی پندرہ سیر ہی اٹھا سکتا ہے اسلئے اسنے پندرہ سیر لکھدیا اور ہم دو من اٹھا سکتے ہیں اسلئے ہمارا یہی پندرہ سیر ہے تو کیا اس جواب کو ریل بابو تسلیم کر سکتا ہے ہرگز نہیں وہ یہی کہیگا کہ ہم قانون کا راز کچھ نہیں جانتے ہمارے پاس کتاب میں یہی قانون لکھا ہوا ہے کہ پندرہ سیر سے جو زیادہ ہو اُسکی بلٹی ہونی چاہیئے جسمیں ہندوستانی اور کابلی کی کوئی تخصیص یا استثنا نہیں ہے - اور اُسکے اس جواب کو تمام مہذب لوگ صحیح مانیں گے اسی طرح ہم اس دلیل کے جواب میں کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے وضو کو فرض کیا ہے جسمیں مہذب اور دیہاتی کا کوئی فرق نہیں ہے اسلئے وضو ہر شخص پر فرض ہے ہم تمکو قرآن میں عام حکم دکھلا سکتے ہیں اس سے آگے ہم کچھ نہیں جانتے ہمکو خبر نہیں کہ اس حکم کی علت کیا ہے - یہ مضمون اسپر بیان ہوا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضرر سے بچنے کیلئے یا کسی دنیوی منفعت کیلئے تعویذ وغیرہ کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسمیں شیاطین کی

استمانت ہو یہ بالکل غلط ہے اور میں نے یہ بیان کیا تھا کہ دنیوی مضرت کا اعتبار نہیں اصل مضرت حق تعالیٰ کی ناراضی ہے۔ مگر اسکو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں یہ خیال کر لیا ہے کہ ابھی حق تعالیٰ سے ملاقات تھوڑا ہی ہو رہی ہے گناہ کر کے توبہ کر لینگے پھر پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ سے مل لینگے میں کہتا ہوں کہ اول تو حق تعالیٰ سے ملنے کا وقت کسی کو معلوم نہیں شاید ہمیں نفس نفس واپسین ہو۔ اور اگر ہمکو ایسا ہی زندگی پر بھروسہ ہے تو یہ کونسی عقلمندی ہے کہ توبہ کے سہارے گناہ کا ارتکاب کیا جائے اسکی تو بعینہ وہ مثال ہے جیسے کوئی تریاق کے بھروسہ سنکھیا کھانا چاہے یا منتر جاننے کیوجہ سے سانپ سے کٹوانا چاہے کہ زہر کھا کر تریاق کھا لونگا یا سانپ کے کاٹنے کے بعد منتر سے جھاڑ لونگا۔ تو کیا جو لوگ توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے ہیں وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں علاوہ اسکے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق بھی تو ہے تو کیا اوسکا مقتضا یہی ہے صاحبو! اگر کسی عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا محبوب فلاں کام سے ناراض ہے تو کیا اُسکو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ابھی تو محبوب کی ملاقات میں دیر ہے لاؤ اس کام کو کر لوں۔ صاحبو! عاشق سے کبھی یہ نہیں ہو سکتا اُسکی محبت ہرگز محبوب کے خلاف رضا کام کرنیکی اجازت نہ دیگی گو ملاقات میں کتنی ہی دیر ہو بلکہ گو ملاقات بھی ہونے والی نہو پھر افسوس ہے کہ حق تعالیٰ کیساتھ ہم اُسکے خلاف برتاؤ کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پوری محبت ہی نہیں ہے تو اسصورت میں شکایت اور زیادہ ہو گئی کہ ہمکو بیوی اور بال بچوں سے تو کیسی محبت ہے ایک ادنیٰ حسین صورت سے ہمکو کیسا تعلق ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے ہمکو اسدرجہ کی محبت نہو جو کہ جلال و جمال و کمال و نوال میں سب سے زیادہ کامل ہے اور جو کچھ دوسروں میں ہے سب اُسی کا عطا کیا ہوا ہے ؎

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن ۔۔۔ صبر چوں داری ز رب ذوالمنن

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں ۔۔۔ صبر چوں داری ز نعم الماہدون

اور گو نفس محبت تو ہے مگر دوسروں کی محبت نے اُسے مغلوب کر رکھا ہے اسلئے ناراضی حق کی گرانی کا ہمکو احساس نہیں ہوتا جب آدمی کو سانپ ڈس لیتا ہے تو اُس کو

نیم کے پتے تلخ نہیں معلوم ہوتے۔ اسی طرح ہمکو دنیا کے سانپ نے ڈس رکھا ہے اسلیئے ناراضیٔ خداوندی کی تلخی ہمکو محسوس نہیں ہوتی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہمکو رضاء الٰہی کی حلاوت ہی کا ادراک نہیں ہوا اسلیئے ناراضی کی تلخی کا بھی احساس نہیں ہوتا الاشیاء تعرف باضدادھا یعنی ہر چیز کی حقیقت اُسکی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے حضرات اہل اللہ کو رضاء الٰہی کی حلاوت معلوم ہو چکی ہے اسلیئے وہ ناراضی کی تلخی کو بھی محسوس کرتے ہیں سالک کے دل میں تعلق مع اللہ کی ایک حلاوت ہوتی ہے نسبت مع اللہ کی وجہ سے ایک نور اُنکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے جسکے فقدان سے اُن کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود　　　گر زباغ دل خلالے کم بود

جب اُن کی قلبی کیفیت میں ذرا سی بھی کمی ہوتی ہے تو اُنکے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے دوسروں کو ناراضیٔ الٰہی کا احساس کیونکر ہو دل تو پہلے ہی سے کالا تو ہو رہا ہے دل میں تعلق مع اللہ کا نور پیدا کرو اُسوقت سمجھوگے کہ ناراضیٔ حق کی تلخی کیسی ہوتی ہے پھر خود بخود یہ مسئلہ سمجھ میں آجائیگا کہ واقعی اصلی مضرت خدا کی ناراضی ہے۔ اُسکے سامنے دنیا کے منافع اور مضرتوں کی کچھ حقیقت نہیں چنانچہ اس مسئلہ کو قرآن شریف میں بہت صاف طور پر حل کر دیا گیا ہے ارشاد فرماتے ہیں یسئلونک عن الخمر والمیسر ط قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما ط لوگ آپسے شراب اور جوئے کی بابت سوال کرتے ہیں (کہ یہ حلال ہیں یا حرام) آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں ایک گناہ (ہے مگر وہ) بڑا (گناہ) ہے اور لوگوں کے لئے منافع متعدد ہیں۔

سبحان اللہ کیا پاکیزہ طرز کا جواب ہے یعنی لوگوں کو شراب اور جوئے کی حرمت میں یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ ان میں منافع دنیویہ بہت ہیں اسلیئے انکو حرام نہ کرنا چاہیئے تو حق تعالیٰ اس شبہ کا اصل سے انکار نہیں فرماتے بلکہ اسکو تسلیم فرماتے ہیں کہ واقعی ان میں لوگوں کے لئے نفع بھی ہے اور ایک ہی نفع نہیں بلکہ ہم صیغہ واحد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کہ ان میں بہت سے منافع ہیں مگر بات

یہ ہی کہ انمیں ایک گناہ بھی ہے اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ حق تعالیٰ نے منفعت کے بیان میں تو جمع کا صیغہ اختیار فرمایا یعنی منافع للناس اور مضرت کے بیان میں صیغہ واحد لایا گیا یعنی اثم اگر یہ کلام بشر کا ہوتا تو مقابلہ کے لئے یہاں بھی جمع کا صیغہ آثام ہوتا مگر نہیں حق تعالیٰ نے اس جگہ صیغہ واحد ہی اختیار فرمایا جس سے اس حقیقت پر متنبہ فرمانا منظور ہے کہ اگر کسی چیز میں ہزاروں منفعتیں ہوں مگر اسمیں ایک گناہ بھی ہو یعنی ادنیٰ شائبہ ناراضی حق کا ہو تو وہ ہزاروں منفعتیں ایک گناہ کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ جسطرح خدا کی رضا خواہ ذرا ہی سی ہو بڑی دولت ہے چنانچہ ارشاد ہے ورضوان من اللہ اکبر اسی طرح خدا کی ناراضی بھی بڑی وبال کی چیز ہے خواہ اُس ناراضی کا سبب ایک ہی گناہ کیوں نہو اسی لئے گو اس جگہ اثم کو بصیغۂ واحد لایا گیا مگر اسکو کبیر کے ساتھ موصوف کر دیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ شراب اور جوے میں منافع تو بہت ہیں مگر ایک گناہ بھی ہے اور وہ ایک ہی گناہ اتنا بڑا ہے جس نے ان سب منافع کو گاؤ خورد کر دیا ہے اسی لئے آگے منافع کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ نفع کا لفظ اختیار فرمایا وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا کہ ان دونوں کا گناہ انکے نفع سے بہت بڑا ہے یہاں صیغۂ واحد اختیار کرنیکی وجہ یہی ہے کہ پہلے کلام سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ان منافع کے مقابلہ میں ایک گناہ بھی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک من مٹھائی میں تولہ بھر زہر ملا ہوا ہو تو وہ ساری مٹھائی اس ایک تولہ زہر کی وجہ سے خاک میں ملجاتی ہے اسیطرح جب وہ منافع ایک گناہ کی وجہ سے خاک میں ملگئے تو اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ انکو جمع کے صیغہ سے تعبیر کیا جاوے اسلئے فرماتے ہیں واثمہما اکبر من نفعہما اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ کسی چیز کے حرام ہونے اور گناہ ہونیکا مدار دنیا کے نفع ونقصان پر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھے ہوئے ہیں اور بعض دفعہ زبان سے بھی کہدیتے ہیں کہ اس کام میں کیا حرج ہے یہ تو نفع کی چیز ہے چنانچہ تعویذ اور عملیات میں بہت لوگ اسی دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ جس عمل سے کسی کو نفع ہوتا ہو وہ

جائز ہے خواہ اُس میں شیاطین سے استعانت ہو یا کیسے ہی بیہودہ کلمات استعمال کرنے پڑتے ہوں۔ آپنے دیکھ لیا کہ شراب اور جوے کی نسبت حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ انمیں لوگوں کے لئے ایک نفع نہیں بلکہ بہت سے منافع ہیں مگر پھر بھی یہ حرام ہیں کیوں محض اسلیئے کہ خدا انکو پسند نہیں فرماتے وہ اُن سے ناراض ہوتے ہیں۔ اب یہ مسئلہ بالکل حل ہو گیا کہ حرمت کا مدار خدا تعالیٰ کی ناراضی پر ہے پس معلوم ہو گیا کہ انما الاعمال بالنیات کا حکم گناہوں میں نہیں گناہ کسی نیت سے بھی ہو جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب یہی ہے جو میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ بعض اعمال نیت کے بغیر موجب ثواب نہیں ہوتے جیسے مباحات اور بعض بغیر نیت کے صحیح ہی نہیں ہوتے جیسے نماز روزہ وغیرہ چنانچہ اگر کوئی شخص نماز کی صورت بنا لے لیکن نماز کی نیت نکرے تو وہ نماز نہیں ہے یہاں سے میں آپکو ایک بات بتلاتا ہوں اگرچہ اُسکے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا لیکن صرف اسلیئے بیان کرتا ہوں تاکہ تنگی کے وقت لوگ اپنے ایمان کو محفوظ کر لیا کریں اور کفر سے بچ جاویں وہ بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ کوئی بے نمازی نمازیوں میں جا پھنستا ہے نماز کا وقت آگیا اور سب لوگ نماز کے لیئے تیار ہو گئے اب یہ بے نمازی آدمی بڑا پریشان ہوتا ہے نماز نہ پڑھے تو سب اُسکو ملامت کرتے ہیں برا بھلا کہتے ہیں اور نماز پڑھتا ہے تو یہ مصیبت ہے کہ اس کو غسل جنابت کی ضرورت ہے سب کے سامنے غسل کرے تو زیادہ بدنامی ہوتی ہے اب ایسی صورت میں یہ بے نمازی بدنامی سے بچنے کے لئے نماز میں شریک ہو جاتا ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے تو میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں اگر کوئی ایسا شخص نماز پڑھے تو اُسکو چاہیئے کہ نماز کی نیت نکرے بلکہ بدون نیت کے نماز کی نقل کرتا رہے اسطرح یہ شخص کفر سے بچ جاویگا اگرچہ ترک نماز کے گناہ کی ساتھ دھوکہ دینے کا بھی گناہ ہوگا کہ لوگ اسکو نمازی سمجھینگے اور ہے بے نمازی مگر کفر سے تو بچ جاویگا۔ دیکھئے شریعت میں کسقدر رعایت ہے کہ مجرم بھی اس سے محروم نہیں ہے پھر بھی افسوس ہے کہ لوگ شریعت کو تنگ بتلاتے ہیں مگر خدا کیواسطے

اس ترکیب سے ہمیشہ کام نہ لینا اور نہ اس حالت میں امامت کرنا ورنہ سارے نمازیوں کی نماز کا وبال تمھاری گردن پر ہوگا۔ غرض عیب کرنے کے لیئے بھی ہنر چاہیئے اگر کوئی شخص بدنامی سے بچنے کیلیئے بے وضو ہی نماز میں شریک ہو تو اُسکو کفر سے بچنے کیلیئے نماز کی نیت نہ کرنا چاہیئے آجکل بہت آدمی ایسے ہیں جو ظاہر میں نمازی معلوم ہوتے ہیں مگر وہ بے وضو ہی پڑھاتے ہیں یا بلا عذر ارکان کو اڑا دیتے ہیں اور افسوس یہ کہ ایسے لوگ مقتدا اور لیڈر بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ آجکل ایک لیڈر ہیں جو پہلے تو بے نمازی ہی تھے مگر اب چند روز سے نمازی ہو گئے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسٹیشن پر اوتر کر موٹر میں سوار ہوئے نماز کا وقت تھا تو موٹر ہی میں بیٹھے بیٹھے آپنے نماز شروع کردی حالانکہ موٹر کھڑا ہوا تھا پاس زمین موجود تھی اتر کر نماز پڑھ سکتے تھے مگر اُنکی بلا اترے اُنہوں نے موٹر ہی میں نماز شروع کردی۔ اُنہیں لیڈر کا ایک قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت آیا پانی موجود نہ تھا تیمم کیضرورت ہوئی آپکو تیمم کا طریقہ تو معلوم نہ تھا اور کسی سے پوچھا اسلیئے نہیں کہ لیڈر اور مقتدا ہو کر کسی سے پوچھنا عیب کی بات ہے لوگ کہینگے کہ یہ اچھا لیڈر ہے جسے تیمم کا قاعدہ بھی معلوم نہیں۔ غرض خود ہی تیمم شروع کردیا سب سے پہلی حرکت تو آپنے یہ کی کہ مٹی لیکر ہاتھ کو ملی جس طرح پانی کو ملا کرتے ہیں حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر مٹی کو جھاڑ کر پھر ملنا چاہیئے شریعت نے بدن کو بھبوت ملنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ مثلہ ہے جس سے انسان کی صورت بگڑ جاتی ہے سبحان اللہ کسقدر رعایت ہے کہ تمھاری صورت بھی بگاڑنا نہیں چاہتے تو اُن لیڈر صاحب نے اول تو مٹی کو پانی کیطرح ہاتھ پر بہایا پھر منہ میں بھی مٹی دی گویا آپ نے مٹی سے کلی کرنا چاہی۔ اسپر سب لوگ ہنس پڑے اور سب کو اُن کی جہالت معلوم ہو گئی اس سے تو یہی اچھا ہوتا کہ وہ پہلے چپکے سے ایک آدمی سے پوچھ لیتے کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے اگر جہالت ظاہر ہوتی تو ایک ہی آدمی پر ظاہر ہوتی یا دوسرے نکے تیمم کو دیکھ لیتے مگر آپنے اجتہاد سے کام لیا جس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ بالکل ہی جاہل ہے اسپر بھی وہ مسلمانوں کے پیشوا اور

لیڈر بنے ہوئے ہیں ایک اور صاحب کی حکایت ہے کہ اُنہوں نے سفر میں مغرب کی نماز پڑھائی
تو دو رکعت پر سلام پھیر دیا لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت کی کہنے لگے کہ ہیں مسافر ہوں
اسلیئے میں نے قصر کیا ہے۔ ایک صاحب نے سفر میں مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھی
جب امام تیسری رکعت کے لیئے اُٹھنے لگا تو یہ حضرت سلام پھیر کر بیٹھ گئے بعد میں
لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ فرماتے ہیں کہ میں مسافر ہوں اسلیئے میں نے قصر کیا ہے
غرض آجکل کثرت سے اس قسم کے بھی نمازی ہیں کہ ظاہر میں نمازی معلوم ہوتی
ہیں مگر معلوم وہ کیا کیا گڑ بڑ کرتے ہیں ہر شخص اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے مسائل
سیکھنے سے عار آتی ہے ساری خرابی تکبر کی ہے اگر کسی مُلّا سے چند اردو ہی کے
رسائل پڑھ لیا کریں تو یہ رسوائی نہو اور یہ شکایت عوام ہی کی نہیں بلکہ بعض مولوی بھی
جو معقول وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں ایک مولوی صاحب
جو آجکل بڑے لیڈر مشہور ہیں ابتدا میں وہ ایک عربی مدرسہ میں ملازم ہوئے تھے معقول
میں تو بڑی مہارت تھی مگر دین سے ایسے نا آشنا کہ اُسی زمانہ میں اُنکی شادی ہوئی تو
جب گھر سے مدرسہ میں آئے تو آپکے ہاتھوں کو مہندی لگی ہوئی تھی۔ غرض بعضے مولوی
بھی جاہل ہوتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بعض جاہل مولوی مشہور ہو جاتے ہیں
کیونکہ مولوی اصل میں وہ ہے جو اللہ والا ہو اور اللہ والا آدمی شریعت سے جاہل
نہیں ہو سکتا مگر آجکل جہاں کسی نے عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اُسے مولوی
کہنے لگتے ہیں چاہے اُسنے محض معقول و ادب ہی پڑھا ہو اور دینیات کا ایک
سبق بھی نہ پڑھا ہو۔ حالانکہ یہ شخص حقیقت میں مولوی ہی نہیں۔ اگر معقول پڑھنے
سے آدمی مولوی ہو جایا کرے تو ارسطو و جالینوس سب سے بڑے مولوی ہونے چاہیئیں
کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں حالانکہ اُنکے موحد ہونے میں بھی کلام ہے۔ اور اگر
ادب پڑھنے اور عربی میں گفتگو کر لینے اور تحریر لکھ لینے سے مولوی ہو جایا کرے
تو ابو لہب اور ابو جہل سب سے بڑے مولوی ہونے چاہئیں کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے
عربی داں اور فصیح و بلیغ تھے تو محض معقول و ادب سے انسان مولوی نہیں ہو سکتا

مگر آجکل اُنکو بھی مولوی مشہور کردیتے ہیں اور یہ مرض اوپر ہی سے چلا آتا ہے چنانچہ ملا محمود جونپوری اپنے زمانہ میں بڑا فاضل مشہور تھا حالانکہ وہ محض ایک فلسفی آدمی تھا علوم شریعت میں اُسے مہارت نہتھی مگر مشہور بہت ہوگیا تھا حتی کہ شاہ دہلی نے اُس کو طلب فرمایا اور بہت اعزاز واکرام کیا ایک ملا بادشاہ کے یہاں پہلے سے مقرب تھے اُنکو فکر ہوئی کہ اگر ملا محمود کی دال گل گئی تو پھر ہماری پوچھ کم ہوجاے گی اسلیئے وہ اس فکر میں تھے کہ کسی موقعہ پر ملا محمود کا جاہل ہونا بادشاہ پر ظاہر کیا جاے خشک مولویوں میں یہ مرض حسد وغیرہ کا ہوا کرتا ہے چنانچہ ایکدن کوئی جنازہ آیا اور لوگوں نے ملا سے کہا کہ جنازہ کی نماز پڑھادو انہوں نے ملا محمود سے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز نہیں پڑھا سکتا آپ پڑھادیں ملا محمود نے انکار کیا مگر اصرار کے بعد مجبور ہوکر آگے بڑھے اون ملا نے کان میں کہدیا مجمع زیادہ ہے ذرا قرأت بلند آواز سے پڑھیے اللہ اکبر کہکر اونہوں نے الحمد للہ رب العلمین باواز بلند پڑھنا شروع کردی لوگوں نے نماز توڑدی اور ایک شور مچ گیا کہ یہ کون جاہل ہے جسے جنازہ کی نماز بھی نہیں آتی غرض مصلے پر سے پیچھے ہٹائے گئے اور سب لوگوں میں انکی جہالت کا چرچا مشہور ہوگیا - میں یہ بیان کررہا تھا کہ اگر کوئی بے نمازی نمازیوں میں پھنس جاوے تو اُسکو نماز کی نیت نکرنا چاہیئے کیونکہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام مال پر بسم اللہ کہنا کفر ہے اسپر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ایک مفسر نیچری نے ایک تفسیر لکھی ہے جسکی اس جماعت میں بڑی شہرت ہے مگر اللہ کے بندہ نے اپنی تمہید میں بسم اللہ تک نہیں لکھی بس جہاں سے قرآن شروع ہوا ہے وہیں بسم اللہ ہے مفسر کی تمہید بسم اللہ سے شروع نہیں ہوئی اس تفسیر کا ایک جواب البرہان ہے بہت ہی عمدہ جواب ہے اُس میں بطور لطیفہ کے اُس کی ایک عجیب وجہ بیان کی ہے لکھا ہے کہ ہمارے احباب میں اسکی توجیہ میں اختلاف ہے بعض کی یہ رائے ہے کہ تقلید ملاحدہ یورپ اسکا سبب ہے بعض کی یہ رائے ہے کہ مخالفت اہل اسلام اسکا باعث ہے مگر ہمارے نزدیک ان دونوں توجیہوں کی ساتھ ایک تیسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ مفسر کو پہلے سے یہ معلوم ہے کہ میں اس تفسیر

میں جو کچھ لکھونگا سب شریعت کے خلاف ہوگا اور فعل حرام پر بسم اللہ کہنا کفر ہے اسلئے مفسر نے
اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے تمہید میں بسم اللہ نہیں لکھی خوب لطیفہ ہے گو مفسر کو خود بھی
نہ سوجھا ہو غرض شریعت نے حرام مال کھانے حرام مال سے صدقہ کرنے میں بسم اللہ پڑھنے
سے اور امید ثواب رکھنے سے منع کیا ہے اس مسئلہ کو سنکر بعض لوگ گھبرائے ہونگے
کہ ہمارے تو اکثر مال مشتبہ ہوتے ہیں پھر انکو استعمال کرتے ہوئے بسم اللہ کہنے سے اگر
ایمان جاتا رہا تو ساری بے ایمان ہی ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ وہم مت کرو اس مسئلہ کا مطلب
یہ ہے کہ جو مال یقینی حرام ہو اس میں بسم اللہ کہنا منع ہے جیسے کوئی شخص رشوت کا
روپیہ لیتے ہوئے بسم اللہ کہے یہ کفر ہے باقی جس مال میں حرام و حلال دونوں ملے ہوئے
ہوں اور حلال غالب ہو وہ یقینی حرام نہیں وہ مشتبہ ہوگیا اسمیں بسم اللہ کہنا حرام نہیں
مگر بسم اللہ کہنے سے اوس کی کراہت زائل نہوگی جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے اسی طرح
بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رشوت اور سود کے روپیہ میں سے کچھ خیرات کر دیا جاوے تو
باقی حلال ہوجاتا ہے یہ بھی بالکل غلط ہے بلکہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ حرام مال کے صدقہ
کرنے میں کفر کا خوف ہے غرض کوئی حرام کام کسی نیت سے یا بسم اللہ کہنے سے جائز
نہیں ہوجاتا بلکہ ایسے کاموں میں خدا کا نام لینے سے ایمان پر اندیشہ ہے کیونکہ اس میں
خدا کے نام کی بے تعظیمی ہے جیسے کوئی شخص پاخانہ کو جانیکے وقت بسم اللہ کہنے لگے فقہا نے
اسکو کفر لکھا ہے۔ اور وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں جاتے ہوئے بسم اللہ
کہو اسکا مطلب یہ ہے کہ پاخانہ کی حد سے باہر بسم اللہ کہو یہ مطلب نہیں کہ اندر جا کر کہو خوب
یاد رکھو۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں خبیث شیاطین
ہوتے ہیں جب آدمی ننگا ہوتا ہے تو وہ اسکے بدن کو دیکھتے ہیں اسلئے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی امت کے ستر کو شیاطین سے چھپانے کے لئے انکو یہ تعلیم فرمائی کہ
پاخانہ میں جانے سے پہلے بسم اللہ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث کہہ لیا کرو
اسکے بعد نہ وہ تمہاری بدن کو دیکھ سکینگے نہ ایذا دے سکینگے یہ سب مضمون نماز کو بلا وضو یا
بلا نیت پڑھنے کے متعلق استطرادا آگیا تھا اس سے اوپر اصل مضمون یہ تھا کہ جس نفع

میں حق تعالیٰ کی ناخوشی ہو وہ نفع ہی نہیں۔ دیکھو اگر کسی عاشق کے پاس سونا چاندی بھرا ہوا ہو مگر محبوب کی نظر میں نہ آتا ہو تو کیا عاشق اسکو نفع کی چیز سمجھے گا۔ نفع کی چیز وہی ہے جو محبوب کو بھا جاوے ؎

چو در چشم شاہد نیاید زرت زر و خاک یکساں نماید برت

اسی طرح مسلمان کے لئے نفع کی چیز وہی ہے جس سے خدا راضی ہو۔ اور جس چیز سے خدا راضی نہو وہ ہرگز نفع کی چیز نہیں اگر تمھارے پاس سلطنت بھی ہو مگر خدا راضی نہوا تو وہ کچھ بھی نہیں تم خدا کو راضی رکھو اُسکے احکام کا اتباع کرو خواہ سلطنت ہو یا نہو رضاء الٰہی سے اگر تم کو یہاں سلطنت نصیب بھی نہوئی تو آخرت میں تمھاری ہی سلطنت ہو گی اور وہ ایسی مستحکم ہو گی جسکو کوئی دشمن تمسے چھین نہیں سکتا ہاں اگر خدا کو راضی رکھکر تمکو دنیوی منفعت بھی حاصل ہو جاوے تو وہ خدا کی نعمت ہے اسیطرح باطنی احوال اگر ذاکر کو پیش نہ آویں مگر حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو وہ نفع میں ہے اور اگر حالات وکیفیات کسی درجہ کی پیش آویں مگر اعمال مرضی حق کے خلاف ہوں تو وہ سب ہیچ ہیں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا مقولہ ہے۔ بہ ہوا پری مگسے باشی بر آب روی خسے باشی۔ دل بدست آر کہ کسے باشی۔ یہ نظم نہیں بلکہ نثر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ہوا میں اڑنے لگے تو کیا ہوا ایک مکھی کے برابر ہوئے کیونکہ مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے اور اگر پانی پر چلنے لگے تو ایک تنکے کے برابر ہو گئے پس یہ امور کوئی کمال نہیں اب کمال یہ ہے دل بدست آر کہ کسے باشی جسکا حاصل یہ ہے کہ محبوب کو راضی رکھو اُسوقت تم آدمی ہو گے یہاں سے سالکین کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جن خوارق وکیفیات کے وہ دلدادہ ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود رضائے محبوب ہے اگر رضائے حق حاصل ہے تو کشف وکرامت گو نہو تو کیا ہے اور اگر یہ نہیں تو ہزار کشف وکرامات گو ہو تو کیا ہے اور رضا حاصل ہوتی ہے اتباع احکام سے پس اصل مقصود اسکو سمجھو اسی لئے مجھکو احوال سے زیادہ اعمال کا اہتمام ہے میں اسکو نہیں دیکھتا کہ ذاکر

پر حالات وکیفیات وارد ہوتے ہیں یا نہیں میری نظر زیادہ اسپر ہوتی ہے کہ اسکو اعمال کا بھی اہتمام ہے یا نہیں خلاصہ یہ کہ منافع چاہے ظاہری ہوں یا باطنی سب غیر مقصود ہیں اصل مقصود رضائے حق ہے اسکا طالب ہونا چاہیئے۔ میں یہ مضمون سحر کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ نفع کی نیت سے حرام عمل جائز نہیں ہوجاتا بس سفلی عمل تو اپنی حقیقت ہی کے اعتبار سے گناہ ہے گو نیت کیسی ہی اچھی ہو مگر علوی عمل بھی مطلقاً جائز نہیں اگر کوئی علوی عمل پڑھے تو اسکو دیکھنا چاہیئے کہ نیت کیا ہے اگر مباح کام کیواسطے پڑھا ہے تو جائز ہے جیسے حلال نوکری کیواسطے پڑھے یا کوئی شخص مقروض ہو وہ ادائے قرض کے واسطے عمل پڑھے اور اگر مثلاً کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کیواسطے پڑھا ہے تو حرام ہے۔ اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے تب تو حرام ہے اور اگر نکاح کے لئے مسخر کرنا ہے تب چونکہ اس سے نکاح کرنا اوسکے ذمہ واجب نہیں ہے وہ بھی جائز نہیں ہاں اگر کسی کی بیوی نافرمان ہو اُسکے مسخر کرنے کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے اسی طرح کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اوسکا مسخر کرنا بھی۔ لیکن بعض افراد اسکے بہت نازک ہیں اکثر لوگ اُنکو علی الاطلاق جائز سمجھتے ہیں مگر فقہاء نے اُنکو بھی حرام لکھا ہے مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کو تابعدار بنانے کیواسطے عمل پڑھے تو اسمیں تفصیل ہے اگر وہ ادائے حقوق میں کمی کرتا ہو تو اسدرجہ کے حاصل کرنیکے واسطے جائز ہے اور اگر حقوق ادا کرتا ہے تو محض عاشق ومفتون بنانیکے واسطے عمل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی امیر آدمی کیواسطے عمل پڑہنا کہ وہ ہمکو پچاس روپیہ دیدے ناجائز ہے ہاں اگر کسی امیر پر ہمارے روپیئے آتے ہوں اور وہ ٹالتا ہو اُسوقت اگر علوی عمل اس غرض سے پڑھا جائے کہ وہ ہمارا قرض ادا کردے تو جائز ہے لیکن محض اسواسطے عمل پڑہنا کہ وہ ہمارا مسخر ہو جائے کہ جب ہم ملا کریں وہ ہمکو پچاس روپیہ دیدے یہ بالکل حرام ہے خواہ اسکے لئے عمل کیا جائے یا تصرف کے طور پر توجہ کیجائے دونوں حرام ہیں مگر اسکو لوگ عموماً حرام نہیں سمجھتے بلکہ اسکو تو مشائخ کے کمالات میں بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمارے حضرت نے ایک عمارت بنانا شروع کی تھی اُس میں ہزار روپیہ کی ضرورت

تھی بس ایک رئیس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے ذرا سی توجہ اُسکے اوپر ڈالی فوراً ہزار روپیہ کا نوٹ نذر کر دیا بڑے ہی صاحب تصرف ہیں۔ یاد رکھو کہ جو شیخ ایسا ہو وہ راہزن ہے ڈاکو ہے۔ توجہ ڈال کر کسی سے روپیئے وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈرا دھمکا کر چھین لینا کیونکہ توجہ دینے سے وہ شخص بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور محض توجہ کے دباؤ سے نذر پیش کرتا ہے اور مسلمانوں کا مال بدون طیب قلب کے لینا ہرگز جائز نہیں اس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ توجہ کی حقیقت اور مسمریزم کی حقیقت ایک ہی ہے بس اتنا فرق ہے کہ اگر کوئی بزرگ اپنی قوت نفسانی سے کام لینے لگے اُسکو اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں اور ایک آوارہ آدمی قوت نفسانی سے کام لے اُسے مسمریزم کہتے ہیں باقی حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے کہ دونوں میں نفسانی قوت اور خیال سے کام لیا جاتا ہے بعض لوگ توجہ کو بڑا کمال سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں ایک فاسق فاجر بلکہ کافر شخص بھی توجہ سے اثر ڈال سکتا ہے اسکا مشق پر مدار ہے اور بعض لوگ فطری طور پر بدون مشق ہی کے صاحب تصرف ہوتے ہیں یہ کچھ کمال نہیں کیونکہ جو کام کافر بھی کر سکے وہ مسلمان کیواسطے کمال کیونکر ہو جائیگا مجھے ساری عمر میں ایک شخص ایسے ملے ہیں جو اس حقیقت کو بخوبی سمجھے۔ شاہجہانپور میں ایک شیخ صاحب سماع تھے بہت مخلص آدمی تھے عقائد بھی عمدہ تھے صرف اتنی کسر تھی کہ صاحب سماع تھے لیکن دکاندار نہ تھے صاحب دل آدمی تھے ایکبار میرے پاس اُنکا خط آیا کہ ایک شخص میرا دشمن تھا مجھے بہت ستاتا تھا ایکدن میرے منہ سے اُسکے حق میں بد دعا نکل گئی کہ الٰہی اسکو ہلاک کر دے اُسی عرصہ میں وہ ہلاک ہو گیا بیشک سچ ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات با دُردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

اہل اللہ کا دل دُکھانا بڑے وبال کا سبب ہے غیرت حق ایک دن ضرور اُسکو تباہ کر دیتی ہے چنانچہ حدیث قدسی میں بھی آیا ہے من عادٰی لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب جو میرے ولی سے عداوت کرے اُسکو میں اپنی طرف سے اعلان جنگ دیتا ہوں پھر جسکو

حق تعالیٰ الٹی میڈھم دیں اُسکا کہاں ٹھکانا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

غرض اون بزرگ نے لکھا کہ میں نے بد دعا کی تھی جسکے بعد وہ شخص ہلاک ہو گیا میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اگر کسی دوسرے کو پیش آتا تو وہ اپنے مریدوں میں بیٹھکر ڈینگیں مارتا کہ دیکھو ہماری بد دعا سے ہلاک ہو گیا۔ بھلا ہماری بد دعا خالی جا سکتی تھی مگر اُن بزرگ میں اسکے بجائے دوسری حالت پیدا ہوئی انہوں نے لکھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں مجھے قتل کا گناہ نہوا ہو۔ سبحان اللہ خوف خدا کی یہی شان ہوتی ہے۔ میرے اوپر اس خط کا بہت اثر ہوا اور اس سوال سے مجھے سائل کی بہت قدر ہوئی کیونکہ ایسا سوال عمر بھر مجھسے کسی نے نکیا تھا اور سوال بھی ایسے واقعہ کا جو ظاہر میں مشابہ کرامت کے معلوم ہوتا ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ واقعی آپکا اندیشہ درست ہے مگر اسمیں تفصیل ہے وہ یہ کہ بد دعا کے وقت دو حالتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ محض سرسری طور پر حق تعالیٰ سے درخواست کر دی اور اپنے دل کو اور خیال کو اُسکے ہلاک کرنیکی طرف متوجہ نہیں کیا اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک ہو جائے تو یہ بد دعا کرنیوالا قاتل تو نہو گا کیونکہ بد دعا سے ہلاک ہونے میں اسکا دخل نہیں بلکہ اُسمیں محض حق تعالیٰ سے درخواست ہے اور حق تعالیٰ اپنی مشیت سے اُسکو ہلاک کرنیوالے ہیں پس یہ شخص قاتل تو نہیں البتہ وہ شخص اگر بد دعا کے قابل تھا تب تو گناہ بھی نہیں ہوا اور اگر بد دعا کے قابل نتھا تو قتل کا تو گناہ نہیں ہوا مگر بد دعا کرنے کا گناہ ہوا اس سے توبہ و استغفار کرنا لازم ہے۔ اور ایک صورت بد دعا کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کرنیکی ساتھ اپنے دل کو بھی اُسکے ہلاک کرنیکی طرف متوجہ کیا اور اپنے تصرف سے کام لیا اس صورت میں یہ تفصیل ہے

گو اگر اس شخص کو تجربہ سے اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہے مثلاً بار ہا تصرف کا قصد کیا
مگر کچھ نہیں ہوا اسوقت بھی قتل کا گناہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر وہ شرعاً قابل قتل نہ تھا تو
اوسکی ہلاکت کی تمنا کا گناہ ہوگا اور اگر تجربہ سے اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہے تو
یہ شخص قاتل ہے کیونکہ تلوار سے قتل کرنا اور تصرف سے قتل کرنا برابر ہے صرف اتنا
فرق ہے کہ وہ قتل عمد ہے اور یہ قتل شبہ عمد اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ شخص جسکے ہلاک کرنے
کیواسطے تصرف کیا گیا ہے قتل کا مستحق تھا یا نہیں۔ اگر مستحق قتل تھا تو صاحب تصرف
قاتل تو ہوا مگر گناہ نہیں ہوا کیونکہ تصرف کا استعمال اپنے محل میں ہوا۔ اور اگر مستحق
قتل نتھا تو صاحب تصرف کو قتل کا گناہ ضرور ہوا۔ اس صورت میں اُسکو علاوہ دیت
کے ایک غلام کا آزاد کرنا اور اگر اس کی وسعت نہو تو دو مہینے کے روزے رکھنے چاہیئں
اور توبہ و استغفار کرنا چاہیئے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ توجہ کی کیا حقیقت
ہے یاد رکھو کسی کو توجہ سے ہلاک کرنا یا ضرر پہونچانا علے الاطلاق جائز نہیں بلکہ اسمیں
وہ تفصیل ہے جو میں نے بیان کی مگر آجکل تو اسکو کمال سمجھا جاتا ہے کسی کو بھی اسطرف
التفات نہیں ہوتا کہ اسمیں بعض دفعہ گناہ بھی ہوتا ہے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہمنے
تو محض توجہ کی تھی ہمنے قتل کہاں کیا سو خوب سمجھو لو کہ توجہ سے قتل کرنا بھی ویسا ہی ہی
جیسے تلوار سے قتل کرنا اسی لئے ایسے مواقع میں توجہ سے بچنا چاہیئے اور اگر کوئی
شخص توجہ کا مشاق بھی نہو اُسے بھی ایسے مواقع میں توجہ سے کام نہ لینا چاہیئے کیونکہ
بعض لوگ فطرۃً صاحب تصرف ہوتے ہیں گو اُنکو خبر نہو تو ممکن ہے کہ تم اپنے آپ کو
صاحب تصرف نہ سمجھتے ہو مگر واقع میں تم صاحب تصرف ہو تو اگر اس حالت میں تمنے
کسی کو ضرر پہونچانیکا قصد کیا اور وہ اسکا مستحق نہوا اور ضرر پہونچگیا تو تمکو گناہ ہوگا۔ اور
یہی حکم عملیات سے ہلاک کرنیکا ہے چنانچہ ایک عمل کچی اینٹ کا ہے کہ جسکو ہلاک کرنا
منظور ہوتا ہے اُسکے واسطے ایک کچی اینٹ پر عمل پڑھتے ہیں پھر اُسکو کفن وغیرہ
دیکر اوسپر نماز جنازہ پڑھکر ندی میں ڈالتے ہیں پانی سے وہ اینٹ گھلنا شروع
ہوتی ہے جوں جوں وہ گھلتی ہے اسیقدر یہ شخص گھلنا شروع ہوتا ہے یہانتک کہ

جب وہ اینٹ بالکل گھل جاتی ہے یہ شخص بھی گھل گھل کر ہلاک ہوجاتا ہے یہ بہت
ہی سخت عمل ہے سو خوب سمجھ لو کہ اگر وہ شخص مستحق قتل نہوگا تو تمکو قتل کا گناہ ضرور ہوگا
بعض لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ ہمنے تو قرآن سے مارا ہے پھر ہمیں گناہ کیوں ہوگا میں کہتا
ہوں کہ اگر تم ایک بڑا بھاری قرآن کسی کے سر پر مار دو جس سے اسکا سر پھٹ جاوے
اور مر جاوے تو کیا تمکو گناہ نہوگا ضرور ہوگا۔ پس علوی عملیات میں ایک بات تو یہ دیکھنے
کے قابل ہے کہ مقصود جائز ہے یا نہیں دوسرے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کلمات طیب
ہیں یا نہیں اگر علوی عمل میں خبیث الفاظ نہوں مگر طیب بھی نہوں وہ بھی ناجائز ہے
چنانچہ بعض لوگوں نے مؤکلوں کے عجیب عجیب نام گھڑے ہیں کلکائیل دردائیل اور
اسیطرح اس کے قافیہ پر بہت سے نام ہیں اور غضب یہ کہ ان ناموں کو سورہ فیل
کے اندر ٹھونسا ہے الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل یا کلکائیل الم
یجعل کیدھم فی تضلیل یا دردائیل وعلی ھذا القیاس یہ سخت واہیات ہے
اول تو یہ نام ہی بیڈھنگے ہیں نمعلوم کلکائیل کہانسے ان لوگوں نے گھڑا ہے بس یہ
لوگ راتدن کل کل ہی میں رہتے ہونگے پھر انکو قرآن کی سورتوں میں ٹھونسنا یہ
دوسرا بیڈھنگاپن ہے۔ اور نمعلوم یہ مؤکل ان لوگوں نے کہانسے تجویز کیئے ہیں
محض خیالات ہیں اور کچھ بھی نہیں اسکا مصداق معلوم ہوتے ہیں اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ
سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ مؤکل پر مجھے ایک لطیفہ
یاد آیا کہ ایک وکیل صاحب گھر میں اپنی والدہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر سے
ایک شخص نے انکو آواز دی وکیل نے پوچھا کہ کون ہے وہ کوئی دیہاتی آدمی تھا
جس نے انکو اپنے مقدمہ میں وکیل بنایا تھا اسنے کہا جی میں ہوں تمہارا مؤکل
یہ سنکر وکیل صاحب باہر جانے لگے انکی والدہ نے ہاتھ پکڑ لیا کہ کہاں جاتے
ہو وہ تو مؤکل ہے تم کو مار ڈالیگا انہوں نے سمجھایا کہ یہ عملیات کا مؤکل نہیں بلکہ
اسنے مجھے وکیل بنایا ہے اسے بھی مؤکل کہتے ہیں غرض بڑے اصرار کے بعد
والدہ نے اجازت دی اور کہا اچھا جاؤ خدا حافظ۔ اسیطرح ایک عمل بچھو کا ہے

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْ یہانتک پڑھکر پانی پیتے ہیں پھر حر
کہتے ہیں پھر دم کرتے ہیں نمعلوم یہ کونسا طریقہ ہے بچپن میں ہمنے بھی ان عملیات
کو لکھ لیا تھا مگر کبھی اس پر عمل نہیں کیا صرف بچھو کا عمل ایک آدھ بار غلطی سے کیا اللہ تعالے
معاف فرمادے سو اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عملیات علویہ میں الفاظ طیب ہوں
قرآن کے الفاظ کو بگاڑا نگیا ہو۔ ایک بات عملیات میں قابل لحاظ یہ ہے کہ جو عملیات دنیا
کے واسطے ہوتے ہیں وہ موجب ثواب نہیں ہوتے اُنمیں ثواب کا اعتقاد رکھنا بدعت ہے
اسی طرح ایسے عملیات کو مسجد میں بیٹھکر نہ پڑھنا چاہیئے اور نہ اس قسم کے تعویذ مسجد میں
بیٹھکر لکھنے چاہئیں کیونکہ یہ یا تو تجارت ہے اگر تعویذ پر اجرت لیجائے جسکو مسجد سے باہر
ہی کرنا چاہیئے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو مدرس اور ملا بچوں کو تنخواہ لیکر پڑھاتا
ہو اُسکو مسجد میں نہ بیٹھنا چاہیئے کیونکہ مسجد میں اُجرت کا کام کرنا بیع وشراء میں داخل ہے
اسی طرح جو شخص اُجرت پر کتابت کرتا ہو یا جو درزی اجرت پر کپڑے سیتا ہو یہ
سب لوگ مسجد میں بیٹھکر یہ کام نکریں (قلت الا ان یکون معتکفا فیجوز له ذلک
کما ھو مقتضی قواعدھم واللہ اعلم ۱۲ جامع) اور اگر اپنے لئے عمل پڑھا جاوے
تو تجارت تو نہیں مگر ہے دنیا کا کام وہ بھی مسجد میں نہ چاہیئے۔ اس نکتہ پر حضرت
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے تنبہ ہوا حضرت حاجی صاحب کیخدمت میں
ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ مسجد میں پاخانہ
پھر رہا ہوں حاجی صاحب نے فوراً ارشاد فرمایا کہ تم مسجد میں کوئی عمل دنیا کیواسطے
پڑھتے ہوگے اُسنے اقرار کیا آپ نے فرمایا کہ دنیا کے واسطے مسجد میں وظیفے
نہ پڑھنا چاہئیں تو علوی عملیات کے جائز ہونیکے لئے اتنے شرائط ہیں مسائل
آپنے کبھی نہ سنے ہونگے۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ کسی محقق عالم کو لپٹ جاؤ
اور اُس سے پوچھ پوچھکر کام کیا کرو اسکی بہت ضرورت ہے اسکے بغیر کام نہیں چل
سکتا غرض ان شرائط کیساتھ تعویذ و عملیات وغیرہ سحر حلال ہیں یہ چیزیں مطلقاً
سحر حلال میں داخل نہیں ہیں جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ

یہود میں سحر کا بہت چرچا تھا اسپر سحر حلال و سحر حرام کی تقسیم کا بیان یہانتک طویل ہوگیا لیکن یہ سب مضامین ضروری تھے انکا بیان فائدہ سے خالی نہیں اب میں پھر اصل قصہ کیطرف لوٹتا ہوں یہود میں سحر کا بہت چرچا تھا اور وہ لوگ سحر حرام ہی میں مبتلا تھے جسکا ذکر والنفّٰثٰت فی العقد میں کیا گیا ہے اسمیں عورتوں کا ذکر اسلئے کیا گیا کہ عورتوں کا سحر زیادہ قوی اور مؤثر ہوتا ہے اور اس میں ایک راز ہے جو کہ فلسفی مسئلہ پر مبنی ہے وہ راز یہ ہے کہ سحر و عملیات وغیرہ کی تاثیر کا مدار توجہ اور قوت خیال پر ہے الفاظ و کلمات کا اسمیں زیادہ دخل نہیں۔ مگر چونکہ بدون قیود کے خیال میں قوت اور یکسوئی نہیں پیدا ہوتی اسلئے کچھ کلمات و الفاظ اسکے لئے مقرر کرلئے جاتے ہیں اور عامل کے ذہن میں یہ بات جمادیجاتی ہے کہ ان الفاظ ہی میں یہ اثر ہے جس سے اسکا خیال مضبوط ہوجاتا ہے کہ جب میں یہ الفاظ پڑھونگا فوراً اثر ہوگا چنانچہ اثر ہوجاتا ہے لیکن دراصل وہ خیال کا اثر ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا لیکن یہ اعتقاد مقصود عامل کو مضر ہوتا ہے اگر عامل یہ سمجھنے لگے کہ ان الفاظ میں کچھ تاثیر نہیں تو اسکے عمل کا کچھ بھی اثر نہوگا کیونکہ اس اعتقاد کے بعد اس کا خیال کمزور ہوجائے گا کہ معلوم اثر ہوگا یا نہیں اسلئے عامل کیواسطے یہ جہل مرکب ہی مفید ہوتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ الفاظ میں اثر نہیں بلکہ اسکا مدار توجہ پر ہے پھر بعضے آدمی تو فطری طور پر متصرف ہوتے ہیں انکو اپنے خیال میں یکسوئی حاصل کرنیکے لئے خاص اہتمام اور زیادہ مشق کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعضے مشق سے صاحب تصرف ہوجاتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ ایک طلسمی انگوٹھی ہندوستان میں بہت شائع ہوئی تھی جس میں غائب اور مردہ آدمیوں کی تصویریں نظر آتی تھیں اسکا مدار بھی محض خیال پر تھا اسی لئے اسمیں یہ شرط تھی کہ اس انگوٹھی کو کوئی عورت یا بچہ دیکھتا رہے تو اسکو صورتیں نظر آویں گی تو اسمیں راز یہی تھا کہ تمنے کسی آدمی کا تصور کیا اور اسکا خیال جمایا تمھارے تخیل کا اثر انگوٹھی دیکھنے والے کے خیال پر پڑا اسکو وہی صورتیں نظر آنے لگیں اور اگر تم کسی کا تصور نکرو بلکہ یہ خیال جماؤ کہ اسکو کوئی صورت

نظر نہ آوے تو اُسکو ہرگز ایک صورت بھی نظر نہ آئیگی۔ کانپور میں ایک مولویصاحب نے کچھ مشق کی تھی جس سے غائب لوگوں کی صورتیں دکھا دیا کرتے تھے اُنکا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی آدمی آیا اور اُسنے درخواست کی کہ مجھے فلاں شخص کی صورت دکھا دو انہوں نے اُس سے کہا کہ جاؤ وضو کرکے حجرہ میں جا بیٹھو ادھر انہوں نے گردن جھکا کر توجہ کی تھوڑی دیر میں اُسے کچھ بادل وغیرہ نظر آتے تھے پھر اُس شخص کی صورت نظر آجاتی تھی۔ اسکی بھی یہی حقیقت تھی کہ وہ مولویصاحب توجہ سے دوسرے کے خیال پر اثر ڈالتے تھے جسکی وجہ سے اُسکے متخیلہ میں وہ صورت پیدا ہوجاتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ اُن مولویصاحب کی مجلس میں ایک طالبعلم بیٹھے تھے ایک شخص آیا اور اُسنے درخواست کی کہ مجھکو فلاں بزرگ کی صورت دکھلا دیجئے وہ حسب معمول ادھر متوجہ ہوگئے اس طالب علم نے چپکے چپکے یہ آیت پڑھنی شروع کی قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا تو اس شخص کو پہلے پہل کچھ مقدمات تو نظر آنے لگے تھے جب اس طالبعلم نے یہ آیت پڑھنی شروع کی تو وہ بھی سب غائب ہوگئے۔ اب وہ بزرگ پوچھتے ہیں کہ کچھ نظر آیا اُسنے کہا کہ جو کچھ نظر آیا تھا وہ بھی سب غائب ہوگیا اور صورت تو کیا نظر آتی غرض انہوں نے بڑا ہی زور لگایا مگر خاک بھی نظر نہ آیا اور اپنا سا منھ لیکر رہ گئے۔ تو بات کیا تھی کہ اس طالبعلم نے جب انکے خیال کے خلاف خیال جمایا دونوں میں تصادم ہوگیا اور کچھ بھی اثر نہوا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان عملیات اور سحر وغیرہ کا مدار محض خیال پر ہے اسی لئے معمول کسی بچہ یا عورت کو بناتے ہیں کیونکہ انمیں عقل کم ہوتی ہے اُنکو جو کچھ سمجھا دیا جاتا ہے وہ اُنکے خیال میں جم جاتا ہے اور اسی خیال کے مطابق صورتیں نظر آنے لگتی ہیں عاقل پر اثر کم ہوتا ہے کیونکہ اُسے وہم آتے رہتے ہیں کہ دیکھئے ایسا ہوتا بھی ہے یا نہیں یہی وجہ ہے کہ کم عقل ذاکر پر احوال وکیفیات کا ورود زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اُسکو یکسوئی زیادہ ہوجاتی ہے اور احوال وکیفیات کا ورود یکسوئی کیحالت میں زیادہ ہوتا ہے۔ عاقل پر ورود کیفیات کم ہوتا ہے کیونکہ اُسکا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے

اسی لئے جس ذاکر کو کیفیات پیش نہ آویں وہ غمگین نہو۔ بلکہ خوش ہو کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عاقل ہے۔ دوسرے جو لوگ کشف وغیرہ کے زیادہ معتقد ہوتے ہیں اُنکی ساتھ شیطان تمسخر بھی کیا کرتا ہے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ شیطان کو تخیل میں تصرف کرنیکی بڑی قدرت حاصل ہے وہ خیالی آسمان ذاکر کو دکھلا دیتا ہے جس میں نور اور تجلی اور فرشتے سب کچھ نظر آتے ہیں جسکو یہ ذاکر جو کیفیات و کشف وغیرہ کا معتقد ہے حقیقی آسمان اور سچ مچ کے فرشتے سمجھنے لگتا ہے اسلئے محققین نے لکھا ہے کہ کشف کا راستہ بہت خطرناک ہے اسمیں شیطان کو دھوکہ دینے کا بہت موقع ملتا ہے اسی کو عارف شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست ہشدار و گوش را بپیام سروش دار

بعض لوگ حافظ کو رند بتلاتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے آنکھیں ہی نہیں حافظؒ کے کلام میں سلوک کے مسائل بکثرت ہیں اور یہ نہیں کہ یہ مسائل محض اعتقاد کی وجہ سے ہمنے اُنکے کلام سے نکال لئے بلکہ واقعی انکا کلام تصوف سے بھرا ہوا ہے ورنہ کسی دوسرے کے کلام سے تو کوئی یہ مسائل نکالدے بات یہ ہے کہ جبتک اندر کچھ نہیں ہوتا اُسوقت تک کوئی نکال بھی نہیں سکتا۔ تو حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس راستہ میں شیطان کے وسوسے بہت ہیں۔ بس سالک کو ہوشیار ہوکر پیام سروش کیطرف کان لگائے رہنا چاہئے۔ پیام سروش سے مراد ہاتف غیبی ہے ممکن ہے بعض لوگ یہی سمجھے ہوں اور اپنے دل میں خوش ہوں کہ اس سے تو کشف پر اعتماد کرنیکی تعلیم حاصل ہوئی نہیں بلکہ یہاں سروش سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور پیام سروش سے مراد وحی ہے جو کہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے نازل ہوتی تھی مطلب یہ ہوا کہ وحی کا اتباع کرنا چاہئے پھر شیطان کے وساوس کارگر نہونگے۔ غرض کشف میں یہ خطرے ہیں اور جسکو کشف ہی نہوتا ہو اُسکو شیطان کیا دھوکہ دیگا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سحر وغیرہ کا مدار تخیل پر ہے تو اب سمجھئے کہ عورتوں کا تخیل مردوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے کیونکہ

اوّل تو اُنکو عقل کم ہوتی ہے اور کم عقل آدمی کو جو کچھ بتلا دو وہ اُسکے خیال میں
جلدی جم جاتا ہے اُسے جانب مخالف کا وہم ہی نہیں ہوتا دوسرے اُنکی معلومات
بھی بہ نسبت مردوں کی کم ہوتی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی معلومات کم ہوتی ہیں
اُسکا خیال زیادہ منتشر نہیں ہوتا مگر آجکل نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسکی بھی کوشش
ہے کہ عورتوں کے معلومات وسیع کیے جائیں اور اُنکو علوم وفنون کی تعلیم دیجائے
میں عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں مگر اس تعلیم کا ضرور مخالف ہوں جو یہ لوگ
عورتوں کو دیتے ہیں بھلا عورتوں کو جغرافیہ اور تاریخ پڑھانے سے کیا فائدہ۔
میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ عورتوں کو ابتک یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ہمارے
شہر میں کتنے محلے ہیں اور ضلع میں کتنے شہر ہیں اور کون راستہ کدھر کو جاتا
ہے۔ اسی لئے ابتک وہ اپنے گھر میں مقید رہنا پسند کرتی تھیں لیکن اب اُنکو دنیا
بھر کے نقشے اور راستے بتلائے جاتے ہیں اسکا مطلب یہی کہ اُنکو بھاگنے کا طریقہ
بتلایا جاتا ہے سو واقعی میری سمجھ میں اسکی حکمت نہیں آئی کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑھانے
میں کیا فائدہ ہے۔ اُنکا تو کمال یہی ہے کہ اپنے شہر اور اپنے گھر کے سوا اُنہیں
کچھ معلوم نہ ہو۔ عورتوں کی تعلیم کیلئے دینی مسائل سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اگر
تاریخ پڑھائی جائے تو محض بزرگوں کے حالات پڑھانے چاہئیں جس کا اثر
اُنکے اخلاق پر بھی اچھا ہو مگر آجکل تو اُنکو دنیا بھر کے قصے پڑھائے جاتے ہیں جسکا
بہت ہی بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں نیک عورتوں کی ایک صفت یہ بھی
بیان کیگئی ہے کہ وہ غافل ہوں چنانچہ ارشاد ہے ان الذین یرمون المحصنت
الغفلت المؤمنت لعنوا فی الدنیا والاخرۃ جو لوگ پاکدامن غافل
مسلمان عورتونکو متہم کرتے ہیں اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے۔ غافلات کا
مطلب یہ ہے کہ وہ چالاک نہیں ہیں نشیب و فراز سے بیخبر ہیں تو صاحبو! عورتوں کا
تو کمال یہی ہے کہ وہ اپنے گھر اور اپنے شوہر کے سوا تمام دنیا سے بیخبر ہوں اور یہ وصف
عورتوں میں فطری ہوتا ہے مگر لوگ اُسکو بگاڑ دیتے ہیں ایک شخص مجھسے ایک بزرگ

کی حکایت بیان کرتے تھے کہ وہ ایک مرتبہ بہلی میں سفر کر رہے تھے اور وہ خود نہایت حسین تھے اور گاڑیبان ایسا بدشکل اور بدصورت تھا کہ خدا کی پناہ راستہ میں اُس گاڑیبان کا گھر آگیا اور اُسنے اپنی بیوی کو آواز دی۔ اُسکی بیوی آواز سنتے ہی آئی جسوقت دفعتہً اُسپر نگاہ پڑی ہے تو ایسا معلوم ہوا کہ چاند نکل آیا نہایت ہی حسین تھی۔ انکو یہ خیال ہوا کہ یہ عورت تو ایسی حسین وجمیل اور اسکا مرد ایسا بدصورت یہ اسکو منہ بھی لگاتی ہے یا نہیں۔ انکو اپنے حسن پر بہت ناز تھا اُنہوں نے سوچا کہ دیکھوں یہ عورت میری طرف بھی نظر کرتی ہے یا نہیں مگر اُس اللہ کی بندی نے ایک نگاہ بھر کر بھی یہ نہ دیکھا کہ گاڑی میں کون ہے کون نہیں اُسکی ساری توجہ اپنے شوہر ہی کیطرف تھی اور اُسی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی یہانتک کہ بہلی آگے بڑھ گئی اور وہ اپنے گھر میں چلی گئی وہ صاحب کہتے تھے کہ اوسکی یہ عفت دیکھکر بہت ہی دل خوش ہوا کہ پاکدامن ایسی ہونی چاہیے جو ایسے بدصورت خاوند سے بھی خوش ہو اور دوسرو کو مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ سو میں کہتا ہوں کہ عورتوں میں یہ وصف فطری ہے مگر ہم لوگ اُسکو بگاڑ دیتے ہیں افسوس اس جوہر کی نگہبانی نہیں کیجاتی۔ پس عورتوں کو اگر تعلیم دیجائے تو سب سے پہلے ناولوں اور خراب قصوں کا داخلہ اپنے گھر میں بند کرو ان ناولوں کی بدولت شریف گھرانوں میں بڑے بڑے قصے ہو چکے ہیں۔ دوسرے عورتوں کو لکھنا مت سکھاؤ اور اگر بقدر ضرورت سکھاؤ تو اسکا بہت اہتمام رکھو کہ وہ نامحرموں کے نام خط نہ لکھیں بعض عورتیں اپنے بہنوئی اور چچازاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کے نام خطوط روانہ کرتی ہیں اسکی پوری بندش کرنی چاہیے اور بعضی عورتیں محلہ والیوں کے خطوط لکھدیا کرتی ہیں اس سے بعض دفعہ مرد کو لکھنے والی سے تعلق ہو جاتا ہے جس سے بہت فتنہ پھیلتا ہے اسلیئے عورتوں کو خوب تاکید کردو کہ محلہ بھر کے خطوط نہ لکھا کریں اور ایک اس کا اہتمام کرو کہ اپنے محارم کے نام بھی خطوط لکھیں تو کارڈ اور لفافہ پر پتہ اپنے ہاتھ سے نہ لکھیں بلکہ پتہ گھر کے مردوں سے لکھانا چاہیے ایک جگہ ایسا قصہ پیش آیا کہ ایک عورت نے پتہ اپنے ہاتھ سے لکھا وہ خراب ہو گیا

تو لفافہ کو دھویا جس سے مہر مشتبہ ہوگئی اور ڈاکخانہ والوں نے اسپر مقدمہ قائم کر دیا اسوقت بڑی دقت پیش آئی کہ پردہ نشین عورت کو عدالت میں کھنچنا پڑیگا آخر اُسکے ایک عزیز نے اپنے اوپر بات لی اور عدالت میں کہا کہ یہ خط میں نے بھیجا تھا اور پتہ میں نے لکھا تھا اُسنے خیال کیا کہ اگر مقدمہ قائم ہو تو میرے اوپر قائم ہو میں قید بھگت لونگا مگر پردہ نشین عورت کی تو بیعزتی نہو۔ اسلئے میں اُسکو ضروری سمجھتا ہوں کہ عورتیں اپنے ہاتھ سے پتہ ہرگز نہ لکھیں تو اگر کسی کو عورتوں کی تعلیم کا بہت ہی شوق ہو تو اُسکو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ غرض چونکہ عورتوں کی معلومات عموماً وسیع نہیں ہوتی اسلئے اُن کا تخیل صحیح اور کامل ہوتا ہے اور سحر کا مدار تخیل ہی پر ہے اسلئے عورتوں کا سحر زیادہ قوی ہوتا ہے اسلئے وَالنَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ میں عورتوں کی تخصیص کیگئی۔ تو یہود سحر حرام میں بہت مبتلا تھے اُنکی عورتیں بھی سحر جانتی تھیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر لبید کی بیٹیوں نے سحر کیا تھا جہلاء یہود تو سحر میں مبتلا تھے ہی مگر علماء نے بجائے اسکے کہ اُسکو حرام اور کفر کہتے اور عوام کو اس سے منع کرتے اُلٹا اُسکو ہاروت وماروت کا علم بتا کر ایک آسمانی علم اُسے بنا دیا۔ یہ قاعدہ ہے کہ عالم جب بگڑتا ہے تو بہت دور جاتا ہے عالم ہر چیز کو خدا و رسول تک پہونچا کر رہتا ہے چنانچہ اب بھی لوگ کہتے ہیں کہ دین تو علما کے ہاتھ میں ہے جسطرف چاہیں موڑ دیں جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں اور جسکو چاہیں حلال گویا انکے قبضہ کی بات ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عوام اگر ایسا کہیں تو انکا کچھ قصور نہیں۔ واقعی بعض اہل علم ایسا ہی کرتے ہیں تو یہود کے علماء کی یہی حالت تھی کہ اُنہوں نے سحر کو ہاروت وماروت کا علم بتایا اور اسکے متعلق ایک عجیب قصہ زہرہ کا انہوں نے گھڑ لیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عجائب پرست تھے۔ لوگوں کو حیرت میں ڈالنے کیلئے نئے نئے انداز سے قصے گھڑتے تھے تاکہ ذرا مجلس میں رنگ آجاوے چنانچہ آجکل یہی مذاق ہمارے واعظین کا ہے یہ لوگ ایسا غضب کرتے ہیں کہ وعظ کا رنگ جمانے کیلئے بہت ہی بعید از عقل حکایات بیان کرتے ہیں چونکہ عوام آجکل عجائب پرست زیادہ

ہیں اسلئے ایسے وعظوں کو پسند کرتے ہیں بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب وعظ میں نئی نئی باتیں ہونی چاہئیں جو کبھی سنی بھی نہوں - پرانی باتوں کو دہرانیمیں لطف نہیں آتا میں کہتا ہوں کہ بالکل غلط ہے - لطف پرانی ہی باتوں میں ہے چاہے انکو کتنی ہی بار بیان کیا جاوے مگر اسکا لطف اہل سلامت ہی کو حاصل ہوتا ہے جو تحقیق حق کے طالب ہیں اور عجائب پرست نہیں ہیں اور جنکی فطرت سلیمہ نہیں انکو تو طلسم ہوشربا ہی میں لطف آئیگا پرانی باتوں میں کیا لطف آئیگا - دیکھیے قرآن کا طرز یہی ہے کہ اسمیں بعض مضامین کو بار بار بیان کیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہوا ہے مگر ہر جگہ نئے انداز اور نئے طرز سے بیان ہوا ہے تو یہی طریقہ وعظ کا ہونا چاہیے کہ وہی پرانی باتیں مختلف طرز سے بیان کیجائیں موقع کے مناسب مضامین ذکر کیے جائیں ان پرانی باتوں میں وہ لطف ہے جیسے کہا گیا ہے ؎

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

ان سے دل میں نور اور تازگی پیدا ہوتی ہے اور ان نئی نئی حکایات سے ظلمت بڑھتی ہے وعظ تو وہی ہے جس میں بدعت نہو اور یہ نئی باتیں تو بدعت ہیں چنانچہ حلال روزی طلب کرنے کے متعلق واعظین ایک قصہ بیان کیا کرتے ہیں کہ ایک شخص کو حلال کی طلب تھی لوگوں نے اس سے کہا کہ آجکل حلال روزی ایک شخص کے پاس ہے جو بصرہ میں رہتا ہے اسکے سوا حلال روزی یقینی طور پر کسی کی نہیں چنانچہ وہ بصرہ پہونچا اور ان بزرگ سے ملا اور انسے اپنا قصہ بیان کیا کہ میں حلال کی طلب میں آپکے پاس آیا ہوں میں نے سنا ہے کہ آپکی روزی بالکل حلال ہے جس میں کوئی شبہ نہیں وہ بزرگ یہ سنکر رونے لگے اور کہا کہ ابتک تو میری روزی بلا شبہ حلال تھی لیکن اب نہیں رہی کیونکہ میرے بیل ایک شخص کے کھیت میں گھس گئے تھے اسکے کھیت کی مٹی انکے پیروں کو لگ گئی اور وہ مٹی میرے کھیت میں ملگئی اب مجھے شبہ پیدا ہو گیا - سو یہ حکایت

قواعدِ شریعت کے بالکل ہی خلاف ہے کیونکہ جتنی مٹی بیلوں کے پیروں کو لگی ہوگی وہ کوئی متقوم چیز نہیں جس سے شبہ پیدا ہو سکے یہ محض غلو فی الدین ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دانہ گیہوں کی تعریف کرے یعنی لوگوں سے پوچھتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا تو حاکم وقت کو چاہیئے کہ اس شخص کو سزائے تعزیر دے کیونکہ ایک دانہ متقوم نہیں ہے جسکی تعریف کیجائے تو یہ شخص حدودِ شریعت سے تجاوز کرتا ہے غرض یہ حکایت سراسر خلاف شریعت ہے مگر واعظین اسکو بڑے زور شور کیساتھ بیان کرتے ہیں اور سننے والے بھی اسپر سبحان اللہ کہتے اور وجد کرتے ہیں مگر ان حکایات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ حلال روزی بہت دشوار ہے جو ہمکو نصیب نہیں ہو سکتی اسلیئے وہ طلب حلال سے ہمت ہار دیتے ہیں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے ایک خادم تھے مولانا اونکے لئے کوئی کھانا بھیجدیتے تو انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت آپ تحقیق بھی کر لیتے ہیں کہ حلال ہے یا حرام شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارے بھوکوں مرجائیگا بڑا حلال کھانیوالا آیا جا کھا لیا کر جب تمہیں ایک مسلمان نے ہدیہ دیا اور ہم کو اُسکی آمدنی کا حال معلوم نہیں تو مسلمان پر ہمکو اس بدگمانی کی کیا ضرورت ہے کہ اسکی آمدنی حرام ہوگی۔ گنگوہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شاہ صاحب مہمان ہوئے جو حلال روزی کھانیکا دعوےٰ کرتے تھے اور بہت تفتیش کرتے تھے حضرت کے یہاں سے اُنکے لئے کھانا آیا تو واپس کر دیا اور کہا کہ میں خالص حلال کھاتا ہوں مشتبہ مال نہیں کھاتا اور مجھکو معلوم نہیں کہ یہ کھانا کیسا ہے۔ یہ کہکر وہ اپنے دل میں اسکے منتظر ہوئے ہونگے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود آکر اُس کھانیکی حقیقت بیان کرینگے کہ یہ کھانا اس قسم کی آمدنی سے تیار ہوا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں تب کھاؤنگا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے روگ نہیں پالتے تھے جب کھانا واپس گیا تو آپنے فرما دیا کہ کھانا تو گھر میں رکھ لیا جاوے اور اُن شاہ صاحب سے کہدیا جائے کہ خانقاہ میں جو گولر کھڑا ہے اسکے پھل بالکل حلال ہیں جس میں کوئی شبہ نہیں بس گولر توڑیں اور کھا دیں۔ خوب علاج کیا۔ اگر وہ

شخص سچا طالبِ حلال ہوتا تو ایسا ہی کرتا مگر اُسکو تو محض تنگ کرنا اور اپنا نام کرنا
مقصود تھا چنانچہ جاہلوں کو بہت تنگ کیا کرتا تھا اور وہ اُسکی خوشامدیں کرتے اور تلاش
کر کرکے اُسکے لئے حلال کھانا لایا کرتے تھے مگر حضرت کے یہاں سے جب صاف جواب
ملگیا تو آپ بہت خفا ہوئے اور دوسرے ہی وقت وہاں سے چلدئیے۔ تو صاحبو!
یہ تقویٰ نہیں بلکہ تقوے کا ہیضہ ہے شریعت نے اسقدر غلو سے منع کیا ہے مگر
اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ دریدہ ہوجاؤ۔ حلال و حرام کی کچھ پرواہ نکرو۔ بلکہ شریعت
کا حکم یہ ہے کہ جب تمکو بدون تجسس کے معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص کے یہاں
بالکل حرام آمدنی ہے تو اُسکے گھر کا کھانا مت کھاؤ اور اگر یہ معلوم ہو کہ اُس کی کچھ
آمدنی حرام ہے اور کچھ حلال تو اُسکے گھر کا کھانا مشتبہ ہے جو فتوے کے اعتبار سے
کھانا جائز ہے مگر احتیاط کرنا تقویٰ ہے اور اگر کسی کا حال کچھ بھی معلوم نہو تو تم کو
بدگمانی کی کچھ ضرورت نہیں اُسکو حلال ہی سمجھو مگر آجکل عوام کی نظر میں اُس
شخص کی بہت وقعت ہوتی ہے جو شریعت میں غلو کرے اور راز اسکا یہ ہے کہ
غلو فی الدین سے امتیازی شان پیدا ہوتی ہے اور اگر اعتدال سے کام لیا جائے
تو اس سے کچھ امتیاز نہیں ہوتا شہرت اسی کام سے ہوتی ہے جو انوکھا ہو۔ گڑھی میں
ایک شاہ صاحب آئے اُن کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی اُن کی دعوت کرتا تو
پہلے آپ مراقبہ کرتے۔ کبھی تو مراقبہ کرکے کہدیتے کہ تیرے یہاں آمدنی حلال نہیں اسلئے
میں دعوت قبول نہیں کرتا۔ اور کبھی کہدیتے کہ ہاں تیری آمدنی حلال ہے تیری دعوت
منظور ہے۔ لوگوں میں بڑی شہرت ہوئی کہ واقعی شاہ صاحب بڑے بزرگ ہیں
حرام آمدنی کبھی کھاتے ہی نہیں مراقبہ کرکے معلوم کرلیتے ہیں کہ آمدنی کیسی ہے مگر
چند لوگ ہوشیار بھی تھے انہوں نے کہا کہ شاہ صاحب کے مراقبہ کا امتحان کرنا چاہئے
کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محض ظاہری آثار سے سمجھ لیتے ہوں کہ یہ شخص امیر ہے
اور امیروں کے یہاں ایسی ہی گڑبڑ آمدنی ہوتی ہے اور فلاں شخص مزدور خستہ حال
ہے اور غریبوں کے یہاں اکثر مزدوری کی آمدنی ہوتی ہے۔ جس میں شبہ کم ہوتا ہے

اسلیئے انکا امتحان کرنا چاہیئے چنانچہ وہ لوگ ایک کسبی کے یہاں گئے کہ تیرے پاس کوئی تازہ آمدنی کا روپیہ ہو تو ذرا ایک دو روز کے واسطے ہمیں دیدے چنانچہ اُس نے تازہ آمدنی کا ایک روپیہ دیدیا وہ روپیہ ان لوگوں نے ایک مزدور غریب آدمی کو دیا کہ اس روپیہ سے تو شاہ صاحب کی دعوت کر چنانچہ وہ گیا اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضور آج میرے یہاں دعوت قبول کر لیجیئے شاہ صاحب نے حسب معمول مراقبہ کیا اور سر اٹھا کر کہا کہ سبحان اللہ تمھاری آمدنی میں بڑا نور ہے بالکل حلال ہے تمھاری دعوت منظور ہے۔ لوگ سمجھ گئے کہ شاہ صاحب کا مراقبہ محض ڈھونگ ہی ہے جب وہ اُسکے گھر پر گئے اور کھانا کھا چکے تو ان لوگوں نے کہا کہ شاہ صاحب ذرا پھر مراقبہ کر لیجیئے کہ آپنے جو کھانا کھایا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ آپنے پھر مراقبہ کیا اور کہا کہ ماشاء اللہ اس کھانے میں بہت ہی انوار ہیں جس سے دل منور ہو گیا لوگوں نے جوتہ نکال کر شاہ صاحب کی خوب مرمت کی کہ جھوٹے مکار بس تیرے مراقبہ کا حال معلوم ہو گیا تو مخلوق کو دھوکہ دیتا اور پریشان کرتا ہے یہ کھانا جو تو نے کھایا ہے ایک کسبی کی آمدنی سے تیار ہوا ہے جس میں تجھے انوار نظر آتے ہیں۔ واقعی خوب امتحان کیا۔ مگر ایسے امتحان کرنیوالے بہت ہی کم ہوتے ہیں اکثر تو ان مکاروں کے دھوکہ ہی میں آجاتے ہیں اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ عوام کی مدح وثنا سے کسی کا معتقد نہونا چاہیئے یہ لوگ ہر اک کے معتقد ہو جاتے ہیں اور خود مشائخ کو بھی عوام کی تعریف سے اپنا معتقد نہونا چاہیئے جبتک کوئی صاحب نظر شہادت ندے کہ تمھاری اچھی حالت ہے صائب کہتے ہیں ؎

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را ۔۔۔ عیسیٰ نتواں گشت بتعریف خرے چند

آجکل ہماری یہ حالت ہے کہ جہاں چند لوگوں نے ہاتھ پیر چومنے شروع کر دیئے تو ہم خود بھی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں کہ واقعی ہیں کچھ تو ہوں جو یہ لوگ میرے ہاتھ پیر چومتے ہیں۔ عوام کے اعتقاد کی بھی ایک ہی رہی انکے اعتقاد کی تو یہ حالت ہے کہ گنگوہ میں ایک واعظ آیا جس کا شین قاف بھی درست نہ تھا

جہنم کو جہندم کہتا تھا مگر عوام کے اعتقاد کی یہ حالت تھی کہ بعض لوگ یوں کہتے تھے کہ
یہ شخص بہت ہی بڑا عالم ہے مولوی رشید کو بارہ برس پڑھاوے ۔ واقعی سچ کہا مولانا
کو تو بارہ برس کے بعد بھی یہ لغات معلوم نہوتے کہ وہ جہنم کو جہندم کہتے بس عوام کی
تو حالت یہ ہے کہ جو شخص واہی تباہی قصے بیان کرتا ہو اُسکے معتقد ہو جاتے ہیں
چاہے اُسے خاک بھی نہ آتا ہو ۔ کانپور میں ایک واعظ آئے ممبر پر بیٹھتے ہی اُنہوں نے
یہ دعوے کیا کہ آج میں ایسی بات کہونگا جو کسی نے نہ کہی ہوگی وہ یہ کہ خدا عالم الغیب
نہیں ہے ۔ اسپر چاروں طرف سے لوگ لاحول پڑھنے لگے اسکے بعد تھوڑی دیر خاموش
رہ کر آپ نے یہ کہا کہ صاحبو یہ بات سنکر آپنے مجھے اپنے دل میں کافر زندیق کہا ہوگا
مگر اسکی حقیقت سمجھنے کے بعد آپ کہینگے کہ میری بات سچی ہے ۔ بات یہ ہے کہ غیب
کہتے ہیں پوشیدہ کو اور خدا تعالی سے کوئی چیز مخفی نہیں تو خدا تعالی عالم الغیب کیونکر
ہو سکتے ہیں اُنکو تو جس چیز کا بھی علم ہے وہ اُنکے سامنے ہے ۔ آپنے یہ نکتہ بیان کیا اور
اپنے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ میری بات سچی ہوگئی مگر یہ نہ سمجھے کہ اس سے قرآن
کے ایک لفظ کو اسنے بیکار اور لغو بنادیا جب قرآن میں خدا تعالی کی صفت عالم الغیب
موجود ہے تو اسکا انکار کرنا کیونکر جائز ہوگا ۔ اُسے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ خدا تعالی کی صفت
جو عالم الغیب ہے وہ مخلوق کے اعتبار سے ہے کہ جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں
خدا تعالی کو انکا بھی علم ہے اور ذات خداوندی کے اعتبار سے علم کی ایک ہی قسم ہے
یعنی علم حضوری ۔ غرض آجکل واعظین کا مذاق وہی ہے جو یہود کا مذاق تھا کہ ایسی
باتیں بیان کرتے ہیں جو عوام کو حیرت میں ڈالدیں اسی طرح آجکل کے واعظین شہادت
نامہ خوب پڑھتے ہیں تاکہ لوگ روئیں اور اسکی کچھ پروا نہیں کرتے کہ روایات صحیح ہوں
یا غلط بس جو جی میں آیا بیان کردیا کیونکہ اُنکا مقصود تو محض رُلانا ہے ایک شخص نے
قل ہو اللہ کی تفسیر میں شہادت نامہ بیان کیا آپ کو حیرت ہوئی ہوگی کہ قل ہو اللہ کی تفسیر
میں شہادت نامہ کا کیا جوڑ تھا سنئے اُن حضرت نے اس طرح جوڑ لگایا تھا کہ یہ وہ
سورت ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی جنکے نواسے میدان کربلا

میں امت ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے بس پھر سارا قصہ بیان کردیا۔ اسپر بعضے سننے والے کہنے لگے کہ واہ کیا ربط ہے میں کہتا ہوں کہ ربط نہیں بلکہ خبط ہے جسکی وجہ سے یہ ساری تقریر قابل ضبط ہے۔ مگر ضبط کے معنے وہ نہیں کہ قلمبند کیجائے بلکہ مشہور معنے مراد ہیں یعنے یہ اس قابل ہے کہ اسکو ردی میں ڈالدیا جائے اشاعت بند کیجائے بھلا اگر اسکا نام ربط ہے تو ایک قل ھو اللہ کیا ہر سورت کی تفسیر میں تم شہادت نامہ کو بلکہ ہزاروں واقعات کو ٹھونس سکتے ہو۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا بھی یہی مذاق تھا جو آجکل ان واعظوں کا ہے اسلئے اُنھوں نے عوام کو خوش کرنے کے لئے عجیب وغریب قصے گھڑ لئے تھے چنانچہ اونہی میں سے ہاروت وماروت وزہرہ کا قصہ بھی ہے جسکو آجکل بھی بہت لوگ صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ بعض مفسرین نے یہ غضب کیا ہے کہ اس قصہ کو تفسیروں میں ٹھونسدیا ہے مگر محدثین نقادؒ نے اسکو موضوع کہا ہے۔ وہ قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں بنی آدم کے اندر معاصی کی کثرت ہوئی تو فرشتوں نے طعن کیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو خلیفۃ اللہ بنائے گئے ہیں کہ گناہ کرکرکے خدا تعالےٰ کو ناراض کرتے ہیں اور ہم خدا کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے ہمیشہ اُسکی اطاعت ہی کرتے ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان میں جو شہوت کا مادہ رکھا گیا ہے اگر وہ تمہارے اندر پیدا کردیا جاوے تو تم بھی گناہ کرنے لگوگے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ہرگز گناہ نکرینگے بلکہ اُسوقت بھی ہم اطاعت ہی کرینگے۔ حق تعالےٰ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرو جو سب سے زیادہ عبادت گذار ہوں چنانچہ ہاروت وماروت کو منتخب کیا گیا خدا تعالیٰ نے ان دونوں میں شہوت کا مادہ رکھدیا اور زمین پر اُنکو اتارا اور حکم دیا کہ انسانوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرو اور خدا کیساتھ کسی کو شریک نکرنا نہ شراب پینا اور نہ زنا کرنا نہ کسی آدمی کو ناحق قتل کرنا چنانچہ وہ دونوں دن بھر مقدمات کا فیصلہ کرتے اور شام کو اسم اعظم پڑھکر آسمان پر چلے جاتے۔ اسیطرح ایک زمانہ گذر گیا ایکدن انکے پاس ایک عورت کا مقدمہ آیا جو کہ نہایت ہی حسین جمیل تھی یہ دونوں اسپر فریفتہ ہوگئے اور اُسکے موافق فیصلہ کردیا پھر اُس سے اپنی خواہش ظاہر کی اُسنے کہا کہ ایک شرط سے

میں راضی ہوسکتی ہوں یا تو تم شراب پیو یا میرے شوہر کو قتل کردو یا اس بت کو
سجدہ کرو جو تمہارے سامنے ہے یا مجھکو وہ اسم اعظم بتلادو جس سے تم آسمان پر
جاتے ہو اول تو انہوں نے انکار کیا مگر پھر نہ رہا گیا تو انہوں نے شراب پینے کو
منظور کیا اور یہ سمجھا کہ یہ سب سے سہل گناہ ہے اس سے توبہ کرلینگے چنانچہ شراب
پی کر اُس سے زنا کیا اور اُسی مدہوشی کی حالت میں شوہر کو بھی قتل کردیا اور
بت کو سجدہ بھی کیا اور بے خبری کی حالت میں اُس عورت کو اسم اعظم بھی بتلادیا
وہ عورت تو اسم اعظم پڑھکر آسمان پر چلی گئی خدا تعالیٰ نے اُسے ستارہ کی صورت
میں مسخ کردیا چنانچہ زہرہ ستارہ وہی ہے اور یہ دونوں فرشتے جب مستی سے ہوش
میں آئے تو بڑے پریشان ہوئے شام کو آسمان پر جانے لگے تو اُنکو روکدیا گیا
اور اُنسے کہا گیا کہ یا تو دنیا کا عذاب اختیار کرو یا آخرت کا انہوں نے دنیا کے
عذاب کو آسان سمجھکر اختیار کیا چنانچہ وہ دونوں بابل کے کنوئیں میں اوندھے منہ
لٹکے ہوئے ہیں جہاں اُنکو عذاب ہو رہا ہے اور یہ دونوں فرشتے سحر بھی تعلیم
کرتے تھے جسکی تعلیم کا اُنکو حکم ہوا تھا تو یہ سحر اُنہی سے منقول چلا آتا ہے۔

اس قصہ کو سنکر وہ شخص جسکو حدیث سے ذرا بھی مس ہے فوراً موضوع
کہیگا اسکا طرز بتلا رہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوسکتی
یقیناً اسرائیلیات میں سے ہے۔ دوسرے شرعی حیثیت سے اس میں بہت سے
اشکالات ہیں ایک اشکال تو یہی ہے کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے سامنے اسطرح
گفتگو نہیں کرسکتے کہ حق تعالیٰ تو یہ فرمائیں کہ اگر تم میں شہوت پیدا کردیجائے
تو تم بھی انسانوں کی طرح گناہ کرنے لگوگے اور وہ خدا تعالیٰ کی بات کو رد
کریں کہ نہیں ہم اس حال میں بھی گناہ نہیں کرسکتے۔ فرشتے ہرگز اس طرح خدا
کی بات کو رد نہیں کرسکتے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ جس زنا کیوجہ سے یہ فرشتے
معذب ہوئے وہ عورت کیوں نہ معذب ہوئی وہ اسم اعظم پڑھکر آسمان پر
کیونکر چلی گئی اور ایسی مقرب کیونکر ہوگئی۔ اور بہت سے اشکالات ہیں جنکو بیان

کی اسوقت گنجائش نہیں - مگر بعض مفسرین نے تفاسیر میں اس واقعہ کو لکھدیا ہے اسلیئے بہت لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں - اسی لیئے ہر کتاب دیکھنے کے قابل نہیں ہوتی کسی عالم کو تجویز کرو اُسکو کتاب دکھلاکر جب وہ کہدے کہ یہ دیکھنے کے قابل ہے اسکے بعد مطالعہ کرنا چاہیئے - اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ جن کتابوں میں یہ قصہ مذکور ہے وہ معتبر کتابیں نہیں ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ ہر معتبر کتاب کا ہر جزو معتبر نہیں ہوتا - یہ ممکن ہے کہ ایک کتاب معتبر ہو لیکن اُس میں کوئی بات غیر معتبر بھی ہو ایک دو مضمون کے غیر معتبر ہونیسے ساری کتاب کو غیر معتبر نہیں کہسکتے لیکن اسکا امتیاز عالم محقق ہی کرسکتا ہے کہ اُس کتاب میں کونسی بات غیر معتبر ہے غرض یہ قصہ محض غیر معتبر ہے +

صرف ہاروت و ماروت کے قصہ کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ ایک زمانہ میں دنیا میں بالخصوص بابل میں جادو کا بہت چرچا ہو گیا تھا حتیٰ کہ اُسکے عجیب آثار دیکھکر جہلا کو انبیاء علیہ السلام کے معجزات میں اور سحر میں اشتباہ ہونے لگا کیونکہ سحر سے بھی بعضی باتیں خرق عادت کے طور پر ظاہر ہوسکتی ہیں - حالانکہ سحر اور معجزہ میں بہت کھلا فرق ہے - ایک فرق تو یہی ہے کہ سحر میں اسباب طبعیہ خفیہ کو دخل ہوتا ہے اور زیادہ تر اُسکا مدار تخیل پر ہوتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ اُس میں اسباب طبعیہ کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا محض حق تعالی کے حکم سے بدون اسباب کے خلاف عادت امور ظاہر ہوجاتے ہیں - دوسرے صاحب معجزہ کے اخلاق و عادات و اطوار و اعمال میں اور ساحر کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے نبی کی صحبت سے خدا تعالی کی محبت و معرفت اور آخرت کی رغبت دنیا سے نفرت پیدا ہوتی ہے اُنکے پاس بیٹھنے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے اور ساحر کی صحبت میں اسکے خلاف اثر ہوتا ہے لیکن اس فرق کو وہی دریافت کرسکتا ہے جسکی طبیعت سلیم ہو عقل صحیح ہو عوام اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے اُنکے لئے تو نبوت کی دلیل معجزہ ہوتا ہے اور ظاہر میں معجزہ اور سحر دونوں یکساں نظر آتے تھے اسلیئے حق تعالی نے

اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے بابل میں دو فرشتے ہاروت وماروت نام نازل کئے
تاکہ وہ لوگوں کو سحر کی حقیقت پر مطلع کردیں کہ اسمیں فلاں فلاں اسباب کو دخل ہے
اسلئے یہ منجانب اللہ ساحر کی مقبولیت کی دلیل نہیں ان اسباب کے ذریعہ سے ہر
شخص وہ کام کرسکتا ہے جو ساحر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اسپر یہ شبہ نکیا جاوے
کہ سحر تو حرام اور کفر ہے اُسکی تعلیم کے لئے فرشتے کیوں نازل کئے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ سحر پر عمل کرنا حرام اور کفر ہے باقی اُسکا جاننا اور بضرورت شرعی سیکھنا جبکہ اُسپر عمل
مطلق نہو حرام نہیں اُسکی ایسی مثال ہے جیسے سور اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے
لیکن اُسکے گوشت کی خاصیت معلوم کرلینا اور اُسکو بیان کردینا یہ حرام نہیں کیونکہ خاصیت
جاننے اور بتلانے کو گوشت کھانا نہیں کہسکتے اسی طرح شراب پینا حرام ہے لیکن اگر
طبی کتاب میں شراب کی خاصیتیں لکھی ہوئی ہوں تو اُنکو پڑھنا اور پڑھانا حرام نہیں
کیونکہ اسکو شراب پینا نہیں کہسکتے اسی طرح کلمات کفریہ کا عمداً زبان سے نکالنا کفر
ہے لیکن اگر کوئی شخص کلمات کفریہ سے بچنے کے لئے اُنکو جاننا چاہے کہ کن کلمات
سے ایمان جاتا رہتا ہے تاکہ میں اُنسے بچتا رہوں یہ کفر نہیں بلکہ جائز ہے چنانچہ فقہاء نے
کتابوں میں کلمات کفر کے لئے مستقل باب منعقد کیا ہے جس میں ایسی باتوں کو تفصیل
کیساتھ بیان کیا ہے جن سے ایمان جاتا رہتا ہے اُنکے جاننے اور پڑھنے کو کوئی حرام
نہیں کہتا کیونکہ نقل کفر کفر نہیں۔ اسی طرح فلسفہ کے مسائل بہت سے کفر میں داخل ہیں
لیکن لوگوں کو اُسکی حقیقت پر مطلع کرنے کے لئے فلسفہ کی تعلیم دیجاتی ہے اور ساتھ
میں اُسکا رد بھی کردیا جاتا ہے جس سے مقصود صرف یہی ہے کہ فلسفہ کی حقیقت اور
اُسکا بطلان معلوم کرلینے کے بعد کوئی شخص اُنکے دلائل سے متاثر نہو اور ضرورت
کیوقت اُنکے دلائل کا جواب دیسکے بس یہ اشتباہ جاتا رہا کہ تعلیم سحر کا اہتمام کیوں کیا گیا
رہا یہ اشکال کہ پھر اسکی تعلیم کیلئے فرشتے کیوں نازل ہوئے انبیاء علیہم السلام ہی سے یہ
کام کیوں نہ لیا گیا اسکا جواب یہ ہے کہ انبیاء ہدایت محضہ کیلئے مبعوث ہوتے ہیں اور
تعلیم سحر میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ کوئی شخص اُسکو سیکھنے کے بعد اسی میں مشغول ہو

مبتلا ہوجاوے تو اسطرح انبیاء علیہم السلام ضلالت و گمراہی کا سبب بعید بنجاتے جو انکی شان ہدایت محضہ کے منافی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے انکو ضلالت کا سبب بعید بنانا بھی گوارا نہیں کیا بخلاف فرشتوں کے کہ اُن سے تشریع اور تکوین دونوں قسم کے کام لئے جاتے ہیں اور تکوین میں جسطرح وہ مسلمانوں کی پرورش کرتے ہیں اسی طرح کفار کی بھی کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ رحم کے اندر نطفہ کی پرورش کیلئے ملائکہ مقرر ہیں تو وہ مسلمان اور کافر ہر شخص کی صورت رحم میں بناتے ہیں اور نشو و نما میں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں اسیطرح ہر شخص کیساتھ کچھ فرشتے اُسکی نگہبانی کیلئے مقرر ہیں جو خبیث جنوں سے اُسکو بچاتے ہیں اور موذی جانوروں سے اُسکی حفاظت کرتے ہیں جبتک کہ اسکے مقدر میں حفاظت ہے اسی طرح لڑائی میں دشمن کے حملہ سے انسان کو بچاتے ہیں خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان۔ ایسے ہی نباتات کی نشو و نما کیلئے کچھ ملائکہ مقرر ہیں جو کافروں اور مسلمانوں کے کھیتوں اور باغات کی نشو و نما کرتے رہتے ہیں۔ غرض امور تکوینیہ میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں اور فرشتے دونوں کی حفاظت کرتے ہیں حالانکہ شرعاً کافر کی امداد و اعانت اس طریقہ سے جائز نہیں مگر ہمارے واسطے جائز نہیں ملائکہ کے واسطے جائز ہے کیونکہ اُنکے سپرد یہ کام کئے گئے ہیں وہ اسی کے مامور ہیں اور یہی شان ہوتی ہے اقطاب اہل خدمت کی کہ امور تکوینیہ اُنکے بھی سپرد ہوتے ہیں جسکی وجہ سے بعض دفعہ وہ کسی کافر سلطنت کی حمایت کرتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت مغلوب اور کافر سلطنت غالب ہوجاتی ہے مگر ایسے اقطاب مجذوبین ہوتے ہیں سالک ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ سالک شریعت کا مکلف ہے اور شرعاً کفار کی حمایت و اعانت مسلمانوں کے مقابلہ میں بالکل حرام ہے اور مجذوبین مکلف نہیں ہوتے مگر رتبہ میں افضل سالکین ہی ہیں۔ مجذوبوں کی مثال ایسی ہے جیسے سپاہی اور کوتوال کہ اُنکے سپرد شہر کا انتظام ہوتا ہے شہر کے تمام حالات کی اُنکو اطلاع ہوتی رہتی ہے اور سالک کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محبوب کہ اُسے شہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے ہاں بادشاہ کا مزاج شناس اس درجہ ہوتا ہے کہ

کوتوال کو اُسکی ہوا بھی نہیں لگتی۔ سلطان محمود کو ایاز سے خاص محبت تھی۔ حالانکہ اُسکی معلومات سلطنت کے متعلق وزیر کی برابر ہرگز نہ تھیں بلکہ نظام سلطنت کے متعلق ہزاروں آدمی اُس سے زیادہ باخبر تھے اسی لئے لوگوں کو حیرت تھی کہ سلطان ایاز کو اتنا کیوں چاہتے ہیں مگر ایاز میں ایک بات ایسی تھی کہ وزیر کو بھی اُسکی ہوا نہ لگی تھی وہ یہ کہ سلطان کا مزاج شناس تھا اگر اُس سے شہر کے حالات دریافت کرو تو اُسے کچھ بھی عمل نہ تھا لیکن محمود کا مزاج پوچھو تو اُس سے زیادہ اسکا جاننے والا کوئی نہ تھا یہی وجہ تھی کہ لبعض اوقات ایاز ہی محمود سے بات کر سکتا تھا اور کسی کی مجال نہوتی تھی۔ اسی طرح سالکین خدا تعالیٰ کے گویا مزاج شناس ہیں یعنے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنیکا طریقہ جانتے ہیں قرب حاصل کرنے کا راستہ بتلا سکتے ہیں اور اگر اُنسے یہ پوچھو کہ فلاں مقدمہ میں نتیجہ کیا ہوگا فلاں واقعہ کسطرح ہوگا تو اسکا جواب اُنکے پاس یہ ہوتا ہے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم ۔۔۔ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

نہ اُنکے یہاں کشف ہے نہ وہ خوابوں کی تعبیر جانتے ہیں نہ وہ عملیات اور تعویذ گنڈے کا شغل رکھتے ہیں وہ تو صرف رضائے خدا اور وصول الی اللہ کا طریقہ جانتے ہیں اور اس کی تعلیم و تبلیغ کے لئے وہ ہر وقت حاضر ہیں اگر کوئی اُنسے خواب کی تعبیر پوچھتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔۔۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یہی وجہ ہے کہ عوام ان سالکین کے کم معتقد ہوتے ہیں کیونکہ اُنکے یہاں ظاہری سامان کچھ نہیں ہوتا نہ کشف ہے نہ کرامت۔ نہ رات دن الہام کا تذکرہ نہ ہائے اور ہو نہ شور و غل اور مجذوبین کے یہاں یہ سامان بہت ہوتا ہے ہاں سالکین کے پاس محبت و معرفت الٰہی کا ایک مخفی خزانہ ہوتا ہے جسکو اہل بصیرت دیکھ لیتے ہیں عوام کی نظر وہاں تک کم پہونچتی ہے اسی طرح کاملین کی کیفیات ممتاز نہیں ہوتیں بلکہ ان میں ایسی شیرینی ہوتی ہے جیسی فرینی میں کہ نہایت لطیف مٹھاس ہوتا ہے جسکو اگر کوئی دیہاتی چکھے تو بالکل پھیکا بتادے اور مجذوبین کی کیفیات میں ایسی شیرینی ہوتی ہے

جیسی گڑ ہیں کہ دیہات کے لوگ اسی کو میٹھا سمجھتے ہیں مگر نازک مزاج لطیف الطبع لوگ اسکی ایک ڈلی بھی نہیں کھا سکتے۔ مجھے فرینی پر ایک حکایت یاد آئی کہ دیوبند میں ایک رئیس کے یہاں تقریب تھی جس میں زردہ پلاؤ اور فرینی وغیرہ پکائی گئی تھی گاؤں سے انکی رعیت کے چمار بھی آگئے تو انکو بھی انہوں نے یہی کھانا دلوایا۔ گاؤں والوں کی سمجھ میں یہ لطیف کھانے کیوں آنے لگے تھے پلاؤ زردہ کو تو بہت ہی ناک منہ چڑھا کر انہوں نے کھایا جب فرینی کا نمبر آیا تو اُنسے نہ رہا گیا آخر ایک بول ہی اُٹھا اپنے ساتھی سے پوچھنے لگا کہ یہ تھوک سا کے ہے رکیا ہے) دیکھئے اتنی لطیف چیز جو دل و دماغ کو تفریح دیتی چلی جاوے مگر اُس چمار نے یہ قدر کی اُسکو تھوک سے تشبیہ دی۔ اسیطرح جو لوگ دیہاتی طبیعت کے ہوتے ہیں اُنکو سالکین کی لطیف کیفیات کی قدر نہیں ہوتی اُنکو تو ایسی کی قدر ہوتی ہے کہ ذرا کود پھاند ہو ہو حق ہو کشف و کرامت ہو تب اسکو بزرگ سمجھتے ہیں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص آیا اور دس برس تک رہا دس سال کے بعد کہنے لگا کہ حضرت میں اتنے عرصہ سے آپکی خدمت میں ہوں مگر میں نے کوئی کرامت نہیں دیکھی واقعی یہ شخص بھی کوئی بڑا ہی کوڑ مغز تھا جسکو اتنے عرصہ میں بھی حضرت جنید کے کمالات نظر نہ آئے ورنہ ان کمالات کے سامنے کرامت کی کیا حقیقت تھی حضرت جنید رح کو جوش آگیا فرمایا کہ اے شخص اس دس برس کے عرصہ میں تو نے کوئی کام خلافِ سنت جنید سے ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت خلافِ سنت تو میں نے کوئی کام آپکا نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ پھر اس سے زیادہ تو جنید کی کرامت اور کیا چاہتا ہے کہ دس برس میں اس سے ایک کام بھی خلافِ سنت صادر نہیں ہوا۔ اسپر اُس شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ واقعی یہ کرامت اتنی بڑی ہے کہ حسی کرامتیں اُسکی باندیاں ہیں اور حضرت جنید کے اس دعوی کی وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ بعض دفعہ تحدث بالنعمۃ کے طور پر یا سالکین کی اصلاح کے لئے اپنے بعض کمالات بیان کر دیا کرتے ہیں تاکہ اُنکو شیخ کی حالت معلوم

کرکے اعتقاد زیادہ ہو کیونکہ اس طریق میں شیخ پر اعتماد اور اعتقاد نہایت ضروری ہے
کامیابی اسی پر موقوف ہوتی ہے۔ اس واقعہ سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ کاملین کے
کمالات کسقدر غامض ہوتے ہیں کہ معمولی آدمی کی نظر وہاں تک نہیں پہونچتی۔ اور حضرت
انبیاء علیہم السلام کے کمالات سالکین سے بھی زیادہ غامض ہوتے ہیں یہی وجہ ہے
کہ کفار انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہی کہتے تھے کہ ہمارے ہیں اور ان میں کیا فرق
ہے یہ بھی آدمی ہیں کھاتے پیتے ہیں بازاروں میں پھرتے ہیں ہم بھی ایسے ہی آدمی
ہیں اور مجذوبین کو عوام اہل اسلام کے علاوہ کفار نے بھی بہت مانا ہے کیونکہ انکی
حالت دوسروں سے بکلی ممتاز ہوتی ہے پس سالکین کی شان انبیاء علیہم السلام
کے مشابہ ہوتی ہے اور مجذوبین ملائکہ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اسی لئے انکے
سپرد تکوینی امور زیادہ ہوتے ہیں اور سالکین کے سپرد تشریعی انتظام ہوتا ہے غرض
ملائکہ تکوین کے کام بھی بہت کرتے ہیں اسلئے تعلیم سحر کی خدمت انہی کے سپرد ہوئی کہ
اگر اسمیں وہ ضلالت کا سبب بعید بنجائیں تو انکی شان کے خلاف نہوگا وہ تو اس سے
زیادہ کام کر لیتے ہیں چنانچہ بعض دفعہ وہ لڑائی کے موقعہ میں کفار کی حفاظت بھی
کرتے ہیں جس کیوجہ سے مسلمانوں پر کفار کو غلبہ ہوجاتا ہے۔ اور حضرات انبیاء
علیہم السلام ضلالت کا سبب بعید بھی نہیں بن سکتے اُن کی یہاں تک حفاظت
کی گئی ہے کہ شیطان کو نبی کیساتھ تمثل پر قدرت نہیں دیکھئے شیطان کسی نبی کی
صورت میں ظاہر نہیں ہوسکتا حالانکہ جنات کو مختلف اشکال پر تشکل کی قدرت ہے مگر
نبی کی صورت کوئی نہیں بناسکتا کیونکہ اس میں دین کا انتظام مختل ہوجاتا اور بیداری
میں تو کیا شیطان خواب میں بھی کسی کو نبی کی شکل میں نظر نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ بھی نہیں
ہوسکتا کہ وہ کسی شکل میں ظاہر ہوکر یہ دعوے کرے کہ میں نبی ہوں ہاں یہ ممکن ہے کہ
خواب میں شیطان کسی کو نظر آوے اور یہ دعوے کرے کہ میں خدا ہوں کیونکہ حق تعالےٰ
کی شان یہ ہے یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ وہ ہدایت بھی کرتے ہیں اور
گمراہ بھی کرتے ہیں یعنے گمراہی بھی انہی کی پیدا کی ہوئی ہے گو وہ اُس سے راضی نہیں

ہیں مگر جب کوئی غلط راستہ پر چلنا چاہتا ہے تو گمراہی کی صفت اُس میں پیدا کردیتے ہیں اور اسمیں کچھ اشکال نہیں کیونکہ گمراہی کا ارتکاب نقص ہے اُسکا پیدا کرنا اور خالق ہونا نقص نہیں ہے بدصورت ہونا تو عیب ہے لیکن بدصورتوں کو پیدا کرنا عیب نہیں بلکہ یہ تو عین کمال ہے جس سے خالق کی قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم کی صورت بنانے پر قادر ہے۔ انسان گناہ کرتا ہے کفر کرتا ہے یہ اُسکے لئے عیب ہی کیونکہ اُس کی نافرمانی میں کوئی حکمت نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے گناہ اور کفر کو جو پیدا کیا ہے اسمیں کوئی نقص نہیں کیونکہ اُسکے پیدا کرنے میں ہزاروں حکمتیں ہیں چنانچہ ایک حکمت تو یہ ہی کہ اگر حق تعالیٰ گناہ اور کفر کو پیدا نہ فرماتے تو کوئی شخص انکا ارتکاب نکر سکتا بلکہ سب کے سب ایمان اور اعمال صالحہ پر مجبور ہو جاتے اس صورت میں مخلوق کا امتحان نہو سکتا پس افعال سیئہ اور کفر کے پیدا کرنے میں ایک حکمت تو یہی ہے کہ اس میں مخلوق کا امتحان ہے کہ دیکھیں کون اپنے اختیار سے ایمان اور اعمال صالحہ کا ارتکاب کرتا ہی اور کون گناہ اور کفر کو اختیار کرتا ہے انسان جس قسم کے افعال کا قصد کرتا ہے حق تعالےٰ سب کو پیدا کر دیتے ہیں اور ایک حکمت جسکو صوفیہ کرام سمجھے ہیں یہ ہے کہ اس سے اسمار کا ظہور ہوتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے اسم ہادی کا ظہور ہوتا ہے اور کفر و اعمال سیئہ سے اسم مضل کا ظہور ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں ہیں ہادی بھی اور مضل بھی اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا کہ خالق کفر و خالق سیئات ہونا نقص نہیں صاحبو! آفتاب کے لئے یہ کمال ہے کہ وہ چاند کو بھی روشنی دیتا ہے اور آئینہ کو بھی اور گھورے کو بھی اُس کی روشنی پہونچتی ہے لیکن گھورے کی بدبو اور نجاست آفتاب تک نہیں پہونچتی وہ اسی طرح پاکیزہ اور شفاف ہے ناپاکی خود اسی کی ذات تک رہتی ہے آفتاب تک اُسکا کوئی اثر نہیں جاتا اسی طرح خدا نے گناہ اور کفر کو بھی وجود دیا ہے لیکن انکی نجاست کا وہاں کوئی اثر نہیں پہونچتا اُسکے لئے یہ بھی کمال ہے کہ اُس نے جہاں ایمان و اعمال صالحہ کو پیدا کیا ہے وہاں کفر و اعمال سیئہ کو بھی پیدا کر دیا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست	در بما نسبت کنی کفر آفت ست

عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است	آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

مطلب یہ ہے کہ اگر ابولہب وغیرہ نہوں تو صفت قہر کا ظہور کیسے ہوتا - اور کارخانہ عشق سے مراد دنیا ہے کیونکہ منشاء اس عالم کے ظہور کا عشق ہی ہے جسکی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت ان اُعرف فخلقت الخلق - بعض لوگ اسکا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ عشق میں کفر کرنا بھی بعض دفعہ ضروری ہوتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے بعض لوگ خلاف شرع کلمات زبان سے نکالدیتے ہیں اور محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں سو یہ مطلب بالکل غلط ہے اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انکو طریق سے ذرا بھی مس نہیں بلکہ اسکا صحیح مطلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ کارخانۂ عشق سے عالم مراد ہے حاصل یہ ہوا کہ عالم چونکہ اسماء الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے اور خدا کی ایک صفت قہار و مضل بھی ہے اسلیئے عالم میں کفر کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ ظہور اسماء کامل طور پر نہوگا یہ حکمت تو صوفیہ سمجھے اور ایک حکمت علماء ظاہر نے سمجھی ہے وہ یہ کہ الاشیاء تعرف باضدادھا ہر چیز کی حقیقت اُسکی ضد کے مطالعہ سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے پس دنیا میں کفر وغیرہ کو اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ اُسکے ذریعے ایمان کی حقیقت کامل طور پر منکشف ہو جائے دیکھئے جس شخص نے اندھے کو نہ دیکھا ہو وہ سوانکھے کی حقیقت کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا اسی طرح اگر کسی نے ظلمت اور اندھیرے کو نہ دیکھا ہو وہ روشنی کی قدر نہیں جان سکتا یہ تو وہ حکمتیں ہیں جو عارفین اور علماء نے بیان کر دی ہیں اُنکے علاوہ اور بھی حکمتیں ہونگی جو حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں غرض اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ تکوینا کفر و معاصی کی بھی ضرورت ہے اس عالم کو پس تکوینا تعلیم سحر میں کوئی مضائقہ نہیں اسلیئے اس کام کے لئے فرشتوں کو بھیجا گیا چنانچہ انہوں نے دنیا میں آکر سحر کی حقیقت ظاہر کی اور سلیمانیوں نے اُن سے تعلیم حاصل کر کے سحر کے اترے پترے کھولدئیے جس سے

ساحروں کی ساری بزرگی خاک میں ملگئی اور لوگوں کو معجزات اور سحر میں جو اشتباہ
پیدا ہو گیا تھا وہ رفع ہو گیا پھر وہ فرشتے غالباً آسمان ہی پر چلے گئے نہ وہ کسی کنوئیں
میں ہیں نہ لٹکائے جاتے ہیں اب آیت کا ترجمہ سنئیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاتَّبَعُوا
مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ الآیہ (یعنی یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ کتاب اللہ کا اتباع
تو کرتے نہیں) اور ایسی چیز کا اتباع انہوں نے کر لیا جسکا چرچا کیا کرتے تھے خبیث
جن (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سلطنت میں (یعنی سحر کا اتباع کرتے ہیں
جو کہ خبیث جنوں سے متوارث چلا آرہا ہے) اور (بعضے بیوقوف یہودی جو حضرت
سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ ساحر کہتے ہیں یہ بالکل ہی لغو اور جھوٹی بات ہے کیونکہ
سحر تو اعتقاداً یا عملاً کفر ہے اور) حضرت سلیمان علیہ السلام نے (نعوذ باللہ کبھی)
کفر نہیں کیا مگر (ہاں) خبیث جن بیشک کفر (کی باتیں اور کفر کا کام یعنی سحر) کیا کرتے
تھے اور حالت یہ تھی کہ (خود تو کرتے ہی تھے مگر دوسرے) آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کیا
کرتے تھے (چنانچہ انہی سے وراثۃً یہ سحر چلا آرہا ہے جسکا یہودی اتباع کرتے ہیں) اور
(اسی طرح) اُس سحر کا بھی (اتباع کرتے ہیں) جو نازل کیا گیا تھا اُن دو فرشتوں
پر بابل میں جنکا نام ہاروت و ماروت تھا اور وہ دونوں (سحر کی) تعلیم کسی کو نہیں
دیتے تھے جبتک (احتیاطاً) پہلے یہ نہ کہدیتے کہ ہمارا وجود بھی (مخلوق کے لئے)
ایک امتحان (و آزمائش) ہے (کہ ہماری زبان سے سحر پر مطلع ہو کر کون اُسی میں
پھنستا ہے اور کون اُس سے بچتا ہے) سو تو (اسپر مطلع ہو کر) کہیں کافر مت
بن جائیو (کہ سحر میں پھنس جاوے) سو (بعضے) لوگ ان دونوں (فرشتوں) سے
اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جسکے ذریعہ سے مرد اور بی بی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے
(آگے مسلمانوں کو تسلی ہے کہ وہ ساحروں سے خوف نکریں کیونکہ یہ بات یقینی ہے
کہ) یہ ساحر لوگ سحر کے ذریعہ سے کسی کو (ذرہ برابر) بھی ضرر بدون خدا تعالیٰ کی
مشیت کے نہیں پہونچا سکتے (تو تم کو خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اگر کسی پر سحر کا
اثر ہو جاوے تو وہ یہ سمجھے کہ میرے لئے خدا تعالیٰ کی یہی مشیت تھی ساحر نے کچھ

نہیں کیا بلکہ یہ کلفت دوست نے پہونچائی ہے اور ہرچہ از دوست میرسد نیکوست اب میں مقصود پر آگیا اسوقت تک جسقدر بیان ہوا وہ تمہید تھی مگر تمہید میں خلاف امید بہت طول ہو گیا (پھر دریافت فرمایا کہ وقت کیا ہے معلوم ہوا کہ گیارہ بجے ہیں فرمایا کہ بہت دیر ہو گئی ۱۲ جامع) اب میں مقصود کو مختصر طور پر بیان کروں گا تاکہ زیادہ دیر نہو (اسپر چاروں طرف سے آواز آئی کہ حضرت مختصر نہ کیجیے جبتک چاہیں بیان کرتے رہیں ۱۲ جامع فرمایا کہ) لیکن میرا مطلب مختصر کرنے سے یہ ہے کہ تمہید کی نسبت آئندہ بیان مختصر ہوگا یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہ بھی مختصر ہوگا۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود		گرچہ بس عالی ست پیش خاک تود	

آسمان عرش و کرسی کے سامنے چھوٹا معلوم ہوتا ہے باقی زمین سے تو وہ پھر بھی بہت بڑا ہے غرض میں یہ چاہتا ہوں کہ اسوقت یہ بیان ایک مدرسہ میں ہو رہا ہے جو کہ بیت العلم ہے اسلیئے ضروری ہے کہ علم کے متعلق ایک منضبط بحث بیان کردوں تاکہ طلبہ کو اس سے فائدہ ہو نیز علماء اور عوام نے علم کے متعلق جو کچھ غلطیاں کی ہیں انکو واضح کر کے اصلاح کا طریقہ بتلادوں چنانچہ اگلی آیتوں میں میرا مقصود صراحۃً مذکور ہے فرماتے ہیں وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّھُمْ اگرچہ یہاں یہود کی حالت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ ایسی چیز کی تعلیم حاصل کرتے ہیں جو انکو مضر ہے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ خصوص سبب سے حکم خاص نہیں ہوا کرتا عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اسلیئے یہ حکم جو اس جگہ مذکور ہوا ہے عام ہے وہ یہ کہ علم مضر کو حاصل نکرنا چاہیئے اس سے معلوم ہوا کہ ہر علم محمود نہیں بلکہ بعضے مضر بھی ہیں جنکے سیکھنے پر اس آیت میں ملامت کیگئی ہے پھر مضر کی دو قسمیں ہیں بعضے بالذات مضر ہیں اور بعضے بالغیر مضر بالذات وہ علوم ہیں جو اصل سے ممنوع اور ناجائز ہیں کیونکہ انکے مضامین خلاف شریعت ہیں جیسے سحر اور نجوم وغیرہ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ پہلے تو سحر کی تعلیم کو اور اسکے سیکھنے کو جائز کہا تھا اور اب اسکو ناجائز کہدیا اسکا جواب یہ ہے کہ اوپر سحر سیکھنے کو اور سکھانے کو جائز نہیں کہا

بلکہ اُسکی حقیقت جاننے اور بتلانے کو جائز کہا تھا اور اُسمیں بھی یہ شرط ہے کہ ضرورت عبیر کی وجہ سے اُسکی حقیقت کو معلوم کیا جائے تو اُسوقت چونکہ سحر اور معجزہ میں اشتباہ ہونے لگا تھا اسلئے اُس کا جاننا اور بتلانا جائز تھا وہ بھی اُن لوگوں کے لئے جنکو اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اسکو جانکر اسمیں مبتلا نہونگے اور اب اسکی حقیقت جاننے کی ضرورت نہیں رہی نیز مفسدہ کا اندیشہ غالب ہے اسلئے اس سے بھی منع کیا جائے گا رہا سحر کو سحر کے طور پر اور مقصود کرکے سیکھنا اور سکھانا اسکو ہمیں نے جائز نہیں کہا تھا خوب سمجھ لو۔ اور مضر بالغیر وہ علوم ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں مگر کسی عارض کیوجہ سے اُنکو ممنوع کیا گیا ہے جیسے علم مناظرہ کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن بعض لوگ اس طرز سے اسکی تعلیم دیتے ہیں جو کہ مضر فی الدین ہے اسلئے اس طرز سے تعلیم وتعلم کو ممنوع کہا جاویگا جیسے بعض جگہ طلبہ کو مناظرہ کی تعلیم اسطرح دیجاتی ہے کہ ایک جماعت فرضی عیسائی بنتی ہے اور ایک مسلمان پھر وہ جماعت جو عیسائیوں کی طرفسے وکالت کرتی ہے وہ بالکل اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے سچ مچ کوئی عیسائی بول رہا ہے مثلاً وہ اپنی مقابل جماعت سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ آپ کی قرآن میں یہ لکھا ہے اس سے ہماری تائید ہوتی ہے اور ہماری انجیل میں یہ مسئلہ اسطرح بیان کیا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے ایک مدرسے کے مہتمم نے مجھے طلبہ کا مناظرہ دکھلا دیا تھا وہاں میں نے یہ طرز دیکھا واللہ اُن طلبہ کی اس گفتگو سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ مناظرہ ختم ہو گیا تو مہتمم صاحب کہنے لگے کہ اسمیں کوئی بات قابل اصلاح ہو تو فرما دیجئے میں نے کہا تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ یہ تو سر سے پاؤں تک ہی بگڑا ہوا ہے میں کس بات کی اصلاح کروں سو اس طرز میں ایک ضرر تو یہی ہے کہ مسلمان سے عیسائی بن گئے دوسرے یہ کہ مناظرہ میں ہر فریق کو اپنی بات کا اونچا رہنا اور دوسرے فریق کی بات کا نیچا رکھنا مدنظر ہوتا ہے تو یہ صورت مطلقاً بھی اور خصوص ایسے طور پر نہایت سخت ہے کہ ایک فریق اسلام کی جانب کو کمزور کرنے کی کوشش کرے جس سے بعض دفعہ سلب ایمان کا اندیشہ ہو جاتا ہے کیونکہ آج کل

طبائع میں سلامتی نہیں ہے نیتیں درست نہیں ہیں پس ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس طرز میں نیت کو درست رکھ سکیں ممکن ہے کسی وقت کوئی شخص محض اپنی بات کی پیچ کرنے لگے اور نفسانیت کیوجہ سے اسلام کی جانب کو کمزور کرنے لگے تاکہ سننے والے یہ کہیں کہ فلاں شخص نے بڑی زوردار تقریر کی اور اس کا انجام جو کچھ ہے ظاہر ہے تیسرے یہ غضب ہے کہ اس قسم کے مناظرہ میں بعض دفعہ عوام بھی شریک ہو جاتے ہیں جسمیں بڑا اندیشہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں فریق باطل کے دلائل بیٹھ جائیں اور اہل حق کیطرف سے جو اسکا جواب بیان کیا جائے وہ اُسکی سمجھ میں نہ آوے یا جس طالب علم نے اہل اسلام کیطرفسے جواب دیا ہے اُسکی تقریر اچھی نہو تو اس عامی شخص کا ایمان اس صورت میں برباد ہو جائیگا اس لئے میرے نزدیک یہ طرز بالکل قابل ترک ہے بلکہ میرے نزدیک تو مناظرہ کے لئے تعلیم وتعلم ہی کی ضرورت نہیں فطرت سلیم ہو تو انسان ہر باطل مذہب کا رد بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔ الہ آباد میں ایک رئیس تھے بالکل ان پڑھ جو اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے بس ایک مہر بنوالی تھی جب دستخط کرنا چاہتے مہر کر دیتے تھے ایک دفعہ وہ سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے راستہ میں ایک عیسائی کھڑا ہوا اپنے مذہب کی حقانیت بیان کر رہا تھا اپنے حق ہونے کی ایک دلیل اُسنے یہ بھی بیان کی کہ دنیا میں عیسائی سب سے زیادہ ہیں انجیل کے ترجمے بہت زبانوں میں ہو چکے ہیں معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ مقبول ہیں جو اُنکی اسقدر کثرت اور ترقی ہے اُن رئیس صاحب نے اپنی سواری روک کر پادری سے کہا کہ یہ تو کوئی دلیل حقانیت کی نہیں آؤ ہم تمکو اسٹیشن پر چلکر دکھائے دیتے ہیں کہ ریل گاڑی میں فسٹ کلاس کا درجہ ایک ہی ہوتا ہے اور تھرڈ کلاس بہت ہوتے ہیں بس ہم مسلمان فسٹ کلاس ہیں اور تم عیسائی لوگ تھرڈ کلاس ہو یہ جواب سنکر پادری مبہوت ہو گیا اور اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو دیکھئے ایک ان پڑھ آدمی نے پادری کو خاموش کر دیا اسلئے میں کہتا ہوں کہ مناظرہ کیلئے سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت نہیں البتہ طبیعت سلیم

ہونی چاہیے پھر ہر اعتراض کا جواب دے لینا آسان ہے پھر آجکل جس طرح مناظرہ کیا جاتا ہے سلف کا یہ طریقہ نتھا قرآن میں جا بجا کفار سے مناظرہ کیا گیا ہے مگر اسکا عجیب طرز ہے آج کل کیطرح تو تو میں میں نہیں ہے احادیث میں حضرات صحابہ کے مناظرے مذکور ہیں انکا طرز یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بات کو بار بار دھرائے جاتا تھا آخر دونوں میں سے ایک کہدیتا تھا کہ بس مجھے انشراح ہوگیا اور میری سمجھ میں آگیا دلائل اور ردو قدح زیادہ نہوتے تھے۔ اور یہی طرز قرآن کا ہے۔ آجکل کے مناظرہ میں ایک ضرر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ مخالف کے جواب میں انبیاء کی توہین کرنے لگتے ہیں چنانچہ ایک مناظرہ میں عیسائی نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے رسول (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ زاہد تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بھی نکاح نہیں کیا ساری عمر زہد کی حالت میں گذار دی اور مسلمانوں کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک چھوڑ نو شادیاں کیں تو اسکے جواب میں ایک صاحب کیا فرماتے ہیں کہ پہلے تم یہ تو ثابت کردو کہ عیسیٰ علیہ السلام میں قوت رجولیت (و مردانگی) بھی تھی۔ تیجیئے صحیح جواب کو چھوڑ کر ان حضرت نے ایسا جواب دیا جس میں نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام پر نامردی کا عیب لگا جاتا ہے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام جس طرح باطنی کمالات کے جامع ہوتے ہیں اسیطرح ظاہری کمالات بھی ان میں کامل طور پر موجود ہوتے ہیں اُنکے قوی بشریہ بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ صحیح جواب یہ تھا کہ زاہد ہونا نکاح نکرنے پر موقوف نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا جتنے پیغمبر ہیں وہ سب زاہد نتھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام و داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام سب کے سب صاحب اہل و عیال تھے بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تو تین سو اور بعض روایات کے موافق ہزار بیبیاں تھیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زہد کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ تعلقات سے یکسو ہو کر زاہد بنے دوسرے یہ کہ تعلقات میں مشغول ہو کر زاہد رہے کہ بی بی اور بچے اور گھر بار سب کچھ ہو مگر دل کسی چیز میں نہ لگا ہوا ہو بلکہ دل میں خدا ہی کیساتھ لگاؤ ہو دوسروں سے محض

حقوق ادا کرنے کے واسطے تعلق ہو سو عیسیٰ علیہ السلام کا زہد پہلی قسم کا تھا اور دوسرے انبیاء میں دوسری قسم کا زہد تھا۔ آجکل یہ مرض بہت پھیل گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اس طرح ثابت کرتے ہیں جس سے دوسرے انبیاء کی توہین ہو جاتی ہے چنانچہ ایک سیرت نبویہ اس زمانہ میں بہت شائع ہو رہی ہے اور لوگ اس پر بہت فریفتہ ہیں لیکن اسکی حالت یہ ہے کہ ایک جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرتے ہوئے اس میں لکھا ہے کہ حضور میں جو کمالات تھے وہ کسی نبی میں نہ تھے چنانچہ نوح علیہ السلام میں شفقت ورحمت کا مادہ نہ تھا کیونکہ انہوں نے یہ دعا کی تھی یا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا اور عیسیٰ علیہ السلام میں تمدن وسلطنت کا سلیقہ نہ تھا۔ استغفر اللہ۔ دیکھئے اس ظالم نے نوح علیہ السلام کو شفقت ورحمت سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو تمدن وسلطنت کے سلیقہ سے خالی بتا دیا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے نوح علیہ السلام کی دعوت کا حال جو سورہ نوح میں مذکور ہے وہی اُن کی شفقت ورحمت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں قال رب انی دعوت قومی لیلا ونہارا فلم یزدھم دعائی الا فرارا۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو (دین حق کیطرف) رات کو بھی بلایا اور دن کو بھی سو میرے بلانے پر وہ اور زیادہ بھاگتے رہے آگے ارشاد ہے ثم انی دعوتھم جہارا ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا یعنی پھر (بھی میں انکو مختلف طریقوں سے نصیحت کرتا رہا چنانچہ) میں نے انکو باواز بلند (حق کی طرف) بلایا (اس سے مراد خطاب عام ہے وعظ کے طور پر) پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی سمجھایا۔ (غرض جتنے طریقوں سے نفع کی امید ہو سکتی ہے سب ہی طرح سمجھایا) تو اگر نوح علیہ السلام میں شفقت ورحمت نہ ہوتی تو اس کاوش کی انہیں کیا ضرورت تھی پھر یہ طرز کوئی ایک دو دن یا ایک دو مہینہ تک نہیں رہا بلکہ ساڑھے نو سو برس تک اسی طرح سمجھاتے رہے اور قوم کی سرکشی کی یہ حالت تھی کہ اس عرصہ میں غالباً

صرف اسی آدمی ایمان لائے باقی سب اُسی حالت پر رہے اور طرح طرح سے
نوح علیہ السلام کو ستاتے رہے مگر وہ اسپر بھی مایوس نہیں ہوئے برابر دعوت کرتے
رہے حتی کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اُنکو اطلاع دی کہ اب کوئی
ایمان نہ لاوے گا تب وہ مایوس ہوئے جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے واوحی الی
نوح انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون۝
اور نوح علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی گئی کہ آپ کی قوم میں سے جتنے لوگ ایمان لاچکے
ہیں اُنکے سوا اب اور کوئی ہرگز ایمان نہ لاویگا پس اِن باتوں پر رنج نہ کیجئے جو وہ
کیا کرتے تھے جب وحی سے اُنکو معلوم ہو گیا کہ اب کسی کی قسمت میں ایمان نہیں
ہے تب اُنہوں نے کفار کی ہلاکت کے لئے بد دعا کی جسکی حکمت کو انہوں نے خود
بھی ظاہر کر دیا ہے انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا
کفارا۔ اگر (اب) آپ انکو روئے زمین پر رہنے دینگے تو یہ لوگ آپ کے بندوں
کو گمراہ کرینگے اور (آگے بھی) انکے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہو گی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو وحی وغیرہ سے اس کی خبر بھی ہو گئی تھی کہ اگر یہ
لوگ زندہ رہے تو ان کی اولاد میں بھی کوئی مسلمان نہوگا اب متلائیے ایسی حالت
میں اُنکی بد دعا خلاف شفقت کیونکر تھی بلکہ یہ تو مسلمانوں کے حق میں عین رحمت
تھی ورنہ اگر وہ زندہ رہتے اور اُن کی اولاد بھی کافر ہوتی تو دنیا میں مسلمانوں کا
جینا محال ہو جاتا پھر نوح علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا تھا ولا
تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون۝ کہ ان ظالموں کی بابت تم مجھسے
(شفاعت کے طور پر) کچھ مت کہنا کیونکہ یہ سب غرق کئے جائینگے اس سے خود معلوم
ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام میں شفقت و رحمت بہت زیادہ تھی کہ اگر اُنکو ممانعت
نہ جاتی تو وہ شفاعت وغیرہ کرتے چنانچہ اپنے لڑکے کے بارہ میں اُنکو کچھ کہنے
کا موقع ملگیا تو اُنہوں نے عرض کر ہی دیا کہ اے پروردگار آپ کا وعدہ تھا کہ
تیری اہل و عیال کو نجات دونگا اور میرا لڑکا بھی تو میری اہل و عیال میں داخل ہے

وہ کیوں ہلاک ہو گیا وہاں سے ارشاد ہوا کہ وہ آپکی اہل میں داخل نہیں کیونکہ اُسکے اعمال اچھے نتھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی بابت حدیث میں آتا ہے کہ وہ آخر زمانہ میں نازل ہونگے اور مسلمانوں کی سلطنت کا انتظام فرماوینگے اور جزیہ کو موقوف کردینگے اگر اُن میں سلیقہ سلطنت نہیں تو وہ آخر زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی سلطنت نہایت کمزور ہوگی اُسکا انتظام کیسے کرلینگے۔ الغرض انبیاء علیہم السلام میں تمام کمالات مجتمع ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ایک جوہر سے کسی وقت وہ کام نہ لیں لیکن اُسکی کسی کمال سے اُنکو خالی بتادینا یہ سخت غلطی ہے حق تعالیٰ جس صفت سے کام لینے کا اُنکو حکم فرماتے ہیں اُس سے کام لیتے ہیں اور جس صفت سے جس وقت کام لینے کا حکم نہیں ہوتا اُس سے کام نہیں لیتے اُن کی حالت ہوتی ہے

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر بعلم آئیم ما ایوان اوست
ور بجہل آئیم ما زندان اوست
گر بخواب آئیم مستان وئیم
ور بہ بیداری بدستان وئیم

؎

من چو کلکم درمیان اصبعین
نیستم در صف طاعت بین بین
بنگر ای دل گر تو اجلالیستی
درمیان اصبعین کیستی
رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

انبیاء علیہم السلام بدون حکم کے کچھ نہیں کرتے جس کو جو حکم ہوتا ہے وہی بجالاتے ہیں اسی لیئے اُن کی شانیں مختلف ہوتی ہیں مگر ہر شان محبوب ہے کیونکہ محبوب کی رضا کے موافق ہے ایک عارف فرماتے ہیں ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل ہم کو وہی بیان کرنے چاہئیں جو احادیث میں مذکور ہیں وہ گیا یہ کچھ کم فضائل ہیں اور یہاں سے اس کی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ

حضور نے اپنے فضائل خود کیوں بیان فرمائے وجہ یہ ہے کہ اگر خود حضور بیان نہ فرماتے تو امت اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر کمالات بیان کرتی کیونکہ محبت و اعتقاد اس پر مجبور کیا کرتا ہے کہ محبوب کے فضائل بیان کیئے جائیں اور ہماری بیان کردہ فضائل میں یہ اندیشہ غالب تھا کہ دوسرے انبیاء کی تحقیر و توہین لازم آجائے جیسا کہ آجکل مشاہدہ ہو رہا ہے اسلیئے حضور نے اپنے سچے اور واقعی کمالات خود ہی بیان فرما دیئے تاکہ اگر کسی کو محبت و عشق کے غلبہ میں آپ کے فضائل بیان کرنیکا شوق ہو وہ ان صحیح فضائل کو بیان کر کے اپنا شوق پورا کر لے اور اُن فضائل کے بیان کرنے میں کسی نبی کی توہین کا شائبہ بھی نہیں۔ الغرض آجکل مناظرہ کی تعلیم جس طرز سے کی جاتی ہے وہ قابل ترک ہے چنانچہ اس شخص مذکور نے عیسیٰ علیہ السلام کو معاذاللہ نامرد بتانا چاہا یہ تو مہذب لوگوں کا مناظرہ ہے اور گنواروں کا مناظرہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے رڑکی میں ایک عیسائی بیان کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں ایک گنوار نے کہا کہ خدا کے اور بھی کوئی بیٹا ہے یا نہیں پادری نے کہا نہیں گنوار بولا کہ بس تیرے خدا کے اتنے زمانہ میں ایک ہی بیٹا ہوا میرے نکاح کو اتنا عرصہ ہوا ہے اسوقت میرے گیارہ بیٹے ہیں اور آگے کو اور بھی ہونگے تو تیرے خدا سے تو میں ہی اچھا رہا۔ اس گنوار کا جواب اگرچہ فی نفسہ ایک معقول بات تھی واقعی اگر خدا کے لئے بیٹا ہونا ممکن ہے تو پھر اسکی کیا وجہ کہ اُسکے ایک ہی بیٹا ہو حالانکہ اوسکی مخلوق میں ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے بہت اولاد ہوتی ہے لیکن طرز نہایت بیہودہ ہے۔ غرض جو علوم مضر ہوں اُنکا سیکھنا حرام ہے و یتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بعض علوم مضر ہیں تو کوئی نافع بھی ضرور ہے تو اس سے دو حکم معلوم ہوگئے ایک یہ کہ علوم مضرہ سے بچنا چاہیئے دوسرے یہ کہ علوم نافعہ کو سیکھنا چاہئے رہا یہ کہ مضر کون ہے اور نافع کون ہے اس کی تعیین بھی خود اسی آیت میں موجود ہے و لقد علموا لمن اشتراہ ما لہ فی الآخرۃ من خلاق اس سے

معلوم ہوا کہ علم مضر وہ ہی جو آخرت میں کام نہ آوے تو اسکے مقابلہ میں نافع وہ ہوا جو آخرت میں کام آوے اور ان دونوں کے مجموعہ سے دو غلطیاں معلوم ہوئیں ایک علماء کی ایک عوام کی، علماء کی تو غلطی یہ ہی کہ اُن میں سے بعضے ساری عمر علوم غیر نافعہ ہی میں صرف کر دیتے ہیں یعنی صرف معقول ہی پڑھتے ہیں اور ظاہر ہی کہ معقول آخرت میں کام آنیوالی نہیں البتہ اگر علم دین کیساتھ معقول کو اس غرض سے پڑھا جاوے کہ اس سے فہم و استدلال میں سہولت ہو جاتی ہی تو اُس وقت اسکا وہی حکم ہی جو نحو و صرف و بلاغت وغیرہ کا حکم ہے کہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اگر انسے علم دین میں مدد لیجائے تو تبعاً اُنسے بھی ثواب مل جاتا ہی لیکن ساری عمر علوم آلیہ ہی میں گنوانا یہ سراسر حماقت ہی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ساری عمر ہتھیار کی درستی اور صفائی میں گذار دے اور اُنسے کام ایک دن بھی نہ لے تو ہر شخص اسکو بیوقوف بتلائے گا اور بعضے صرف معقول تو نہیں پڑھتے مگر علوم دینیہ پر اُس کی تقدیم کرتے ہیں یہ بھی غلطی ہے اسمیں ایک ضرر تو یہ ہی کہ اگر اس حالت میں موت آگئی تو معقولیوں ہی میں اسکا حشر ہوگا۔ دوسرا ضرر یہ ہی کہ اس شخص کی عقل پہ معقول رچ جاتی ہے پھر یہ حدیث و قرآن کو معقول ہی کے طرز پر سمجھنا چاہتا ہی اور ہر جگہ اسی کو چلاتا ہی اسلیئے حدیث و قرآن کا اثر اس کی طبیعت پر نہیں جمتا گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کے پاس ایک معقولی طالب علم حدیث پڑھنے آئے۔ ایک دن سبق میں یہ حدیث آئی لا یقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طہور و لا صدقۃ من غلول۔ یعنی نماز بدون طہارت (اور وضو) کے قبول نہیں ہوتی الخ مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے بغیر نماز فاسد ہے معقولی صاحب نے اعتراض کیا کہ اس سے تو قبول نہونا معلوم ہوتا ہے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر وضو کے نماز صحیح بھی نہیں ہوتی ممکن ہے کہ صحت تو بدون وضو کے بھی ہو جاتی ہو لیکن قبول بدون وضو کے نہو پس اگر کوئی بدون وضو کے نماز پڑھ لے پھر وضو کرلے تو احتمال ہی کہ اب قبول

بھی ہو جاوے۔ اس پر سب کو ہنسی آگئی سو معقول پہلے پڑھنے کا یہ ضرر ہوتا ہے کہ حدیث
کا ذوق اس شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ نماز کے بعد وضو کر لینے پر مجھے ایک حکایت
یاد آئی ایک افیونی کا لوٹا پھوٹا ہوا تھا جب وہ پاخانہ جاتا اور وہاں دیر لگتی جیسا
کہ افیونی کی عادت ہے کہ پاخانہ میں جاکر بہت دیر لگاتے ہیں اس عرصہ میں لوٹا بالکل
خالی ہو جاتا ایک افیونی صاحب نے کہا کہ آج میں تیرا علاج کرونگا تو روز خالی ہو جاتا
ہے آپ نے کیا کیا کہ پاخانہ میں جاکر پہلے آبدست کر لی اور اپنے جی میں بڑے
خوش ہوئے کہ ہمنے خوب تدبیر کی کہ لوٹا خالی نہو سکا مگر اس کی خبر نتھی کہ جس غرض
سے پانی لائے تھے اُسکا کہیں پتہ ہی نہیں غرض وہ روز یہی حرکت کرتا کہ پہلے
آبدست لیتا پھر پاخانہ پھرتا مولانا محمد یعقوب بڑے ظریف تھے میں نے کہدیا کہ
یہ بڑا بیوقوف تھا اول آبدست کرتا تھا پھر پاخانہ پھرتا فرمایا نہیں تم سمجھے نہیں وہ
آبدست گذشتہ دن کے پاخانہ کی کرتا تھا تو آبدست مؤخر ہی ہوئی۔ البتہ صرف اوّل
دن کی آبدست بیکار ہوئی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا تو اُن معقولی صاحب کا وضو بھی
اسی کے مشابہ تھا ان ہی طالبعلم صاحب نے ایک اور اعتراض کیا تھا حدیث میں
آتا ہے کہ جنت میں ہر شخص اپنے اپنے درجہ میں خوش رہیگا ادنی درجہ والوں کو
بڑے رتبہ کے لوگوں کو دیکھکر رنج نہوگا کیونکہ جنت میں رنج و غم کا نام بھی نہیں
ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی سمجھے گا وہ معقولی صاحب بولے کہ
اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ سب جنتی جہل مرکب میں مبتلا ہونگے۔ غرض اُنکو
حدیث میں بھی وہی معقولی اصطلاحیں یاد آتی تھیں جہل مرکب اور جہل بسیط
ہی میں رہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اپنی حالت پر خوش رہنا اور
چیز ہے اور حالت کا نہ جاننا اور چیز ہے ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ایسا ہو سکتا
ہے کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ ہمارا درجہ فلاں شخص سے کم ہے مگر پھر بھی ہم اپنی
حالت پر خوش ہوں۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو ماش کی دال ایسی
مرغوب ہے کہ مرغ کا گوشت بھی اُسکے آگے پسند نہیں آتا ہر اک کی اپنی اپنی

رغبت اور پسند ہو اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہو کہ یہ شخص ماش کی دال ہی میں ایسا خوش ہے جیسا کہ دوسرا شخص مرغ کے گوشت میں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُسکو دال اور گوشت میں فرق بھی نمعلوم ہو دونوں میں فرق ہر ایک جانتا ہو اسی طرح جنت میں ادنیٰ درجہ والوں کو اپنا درجہ ہی پسند ہوگا وہ اُسی میں خوش وخرم ہونگے اگرچہ وہ یہ بھی جانینگے کہ ہمارا درجہ فلاں شخص سے کم ہے پس جہل مرکب میں ہونا کیونکر لازم آیا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ معقول کا علوم دینیہ پر مقدم کرنا مضر ہے مگر بعض لوگ معقول کے ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ پہلے اُسی کو پڑھتے ہیں بلکہ بعضے تو حدیث وغیرہ کے پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ حدیث کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہو اس میں کونسی مشکل بات ہو مگر میں کہتا ہوں کہ حدیث پڑھ لینے کے بعد بھی اگر سمجھ میں آجاوے تو بسا غنیمت ہو اور بدون پڑھے ہوئے تو سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی چنانچہ ایک معقولی صاحب کی حکایت ہو کہ اُنہوں نے حدیث پڑھی تھی مگر پڑھانے کو تیار ہو گئے ایک حدیث میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا قصہ آیا کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بغیر اطلاع کئے نکاح کر لیا تھا جب وہ شادی سے اگلے دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپنے اُنپر زردی کا اثر دیکھا یہ دلہن کے زعفرانی کپڑوں کا نشان لگ گیا تھا۔ فرمایا مھیم ھذہ الصفرۃ انہوں نے کہا تزوجت یارسول اللہ یعنی میں نے شادی کرلی ہے آپنے فرمایا اولم ولو بالشاۃ ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری کا ولیمہ ہو۔ یہ تو حدیث تھی کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یہ زردی کیسی تھی مدرس صاحب نے حدیث پڑھی تو تھی نہیں جو اسکی حقیقت سمجھتے آپنے اجتہاد کیا کہنے لگے کہ بات یہ ہو کہ عبدالرحمٰن بن عوف جوان آدمی تھے ایک زمانہ سے رُکے ہوئے تھے جب شادی ہوئی تو انہوں نے مقاربت میں کثرت کی اسلئے چہرہ پر زردی آگئی۔ ظالم نے کیا حدیث کا ناس مارا ہے آپ نے رای علیہ اثر الصفرۃ کے یہ معنے سمجھے کہ چہرہ زرد ہو گیا تھا لاحول ولا قوۃ طالبعلم بیچارہ یہ جواب سنکر

خاموش ہوگیا مگر اُسکے دل کو یہ بات نہ لگی اُسنے ایک دوسرے عالم سے اس کا
مطلب پوچھا انہوں نے صحیح مطلب بیان کردیا کہ شادی کے دن دلہن کے کپڑوں
کو خوشبو اور عطر لگایا جاتا ہے عرب میں جو خوشبو اُسوقت استعمال کی جاتی تھی
اُس میں زعفران وغیرہ پڑتی تھی دلہن کے پاس جانے سے وہ رنگ عبدالرحمن
بن عوف کے کپڑوں پر بھی لگ گیا۔ چونکہ اُس خوشبو کا استعمال مرد نہیں کرتے تھے
اسلئے حضور کو معلوم ہوگیا کہ یہ رنگ دُلہن کی خوشبو کا ہے اس حقیقت کے
معلوم ہو جانے پر طالب علم کا اطمینان ہو گیا۔ تو صاحبو! یہ فرق ہوتا ہے حدیث
پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں۔ حدیث میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکا
سمجھنا واقعات کے جاننے پر موقوف ہوتا ہے اُنمیں معقول کچھ کام نہیں دے سکتی
اور اگر اُن میں صرف عقل سے کام لیا جائے تو بس ایسے ہی مطلب بیان کیئے
جائینگے جیسا ان حضرت نے رای علیہ اثر الصفرۃ کا مطلب بیان کیا تھا بس
معقول کو علوم دینیہ کے بعد پڑھنا چاہیے ورنہ وہی عقل پر رچ جائیگی اور
حدیث میں وہی معقولی اشکالات جاری ہونگے ایک دفعہ میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ
رہا تھا ایک معقولی صاحب پوچھنے لگے کہ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا کہ تصور
شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں کہنے لگے کہ شیخ بو علی سینا۔ تو اُنکے ذہن میں ہر وقت
شیخ بو علی سینا ہی جما ہوا تھا کہ تصور شیخ میں بھی وہی یاد آیا گویا اُنکے نزدیک
بس وہی ایک شیخ رہ گیا ہے۔ یہ تو علما کی غلطی تھی کہ علم مضر میں مشغول ہو گئے اور
عوام کی غلطی یہ ہے کہ وہ علم نافع کو بھی حاصل نہیں کرتے وہ اگر معقول سے بچے
ہوئے ہیں تو دینیات سے بھی بیخبر ہیں اور یہ غلطی جو عوام کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت
علماء ہی کی ذات مقدس سے نکلی ہے۔ کیونکہ ہر فتنہ ہمارے ہی سے نکلتا ہے عوام
کا فساد اکثر کسی عالم کے فساد سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ دنیا میں جسقدر بدعات و
منکرات پھیلی ہوئی ہیں کسی عالم کا ہاتھ ان میں پہلے شریک ہوا ہے۔ بنا اس غلطی
کی یہ ہے کہ عوام نے علم دین کو عربی ہی کی ساتھ مخصوص سمجھ لیا ہے اور عربی

پڑھنے کی ہر ایک کو فرصت نہ تھی تو اب انہوں نے اردو میں بھی مسائل نہ سیکھے کیونکہ اردو میں مسائل پڑھ لینے کو وہ علم ہی نہیں سمجھتے۔ اونہوں نے یہ خیال کیا کہ جب اردو میں پڑھ لینے کے بعد بھی ہم جاہل ہی رہینگے تو اس کی بھی کیا ضرورت ہے اور یہ غلطی ہماری پیدا کی ہوئی اسلیئے ہے کہ آجکل واعظین جب علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور جتنی حدیثیں پڑھتے ہیں اُسکی ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ عربی پڑھنی چاہیئے اور جتنے عربی مدارس ہیں اُن کی امداد کرنی چاہیئے ہیں اگرچہ یہ لوگ صاف صاف یہ نہیں کہتے کہ علم دین عربی کے ساتھ مخصوص ہے مگر اُن سب فضائل پر عربی کی تعلیم کو متفرع کرنا اور مدارس عربیہ کی امداد پر توجہ دلانا لازمی طور پر عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ بس جتنے فضائل علم کے بیان کیئے گئے ہیں یہ سب عربی ہی کے ساتھ خاص ہیں بدون عربی میں علم حاصل کیئے یہ فضائل حاصل نہونگے واعظوں کا مقصود تو محض مدارس کی امداد پر توجہ دلانا تھا مگر عوام اس سے یہ سمجھ گئے کہ یہ فضائل جبھی حاصل ہونگے جبکہ عربی میں اس علم کو حاصل کیا جائے۔ شاید یوں سمجھے ہوں کہ عربی خدا تعالیٰ کی بولی ہے اور اردو ہماری بولی تو علم دین تو خدا تعالیٰ ہی کی بولی میں ہونا چاہیئے اور یہ مذاق صرف عوام ہی کا نہیں بلکہ بعض طالب علم بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں جیسے ایک طالب علم مولوی مغیث الدین تھے انہوں نے منیہ میں یہ مسئلہ پڑھا تھا کہ نماز کلام الناس سے باطل ہو جاتی ہے وہ اسکا یہ مطلب سمجھے کہ اردو میں بات کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ ایک دفعہ وہ کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے امام نے مغرب کی دوسری رکعت میں اتنا لمبا قعدہ کیا کہ مقتدیوں کو شبہ ہو گیا کہ اب سلام پھیر دینگے تو مولوی مغیث الدین نے پیچھے سے آواز دی قم یعنی کھڑے ہو جاؤ۔ امام کو یاد آگیا کہ یہ رکعت دوسری ہے وہ کھڑے ہو گئے مولوی مغیث الدین اپنے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ آج عربی نے بڑا کام دیا کہ

ہم نے امام کی غلطی بھی دور کردی اور ہماری نماز بھی فاسد نہیں ہوئی امام نے سلام پھیر کر پوچھا کہ یہ قمر محّہ کہنے والے کون صاحب تھے آپ آگے بڑھے کہ میں تھا انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نماز دُہرا لیجئے آپ کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ کلام الناس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تو عربی میں کلام کیا تھا امام نے کہا اچھا تو آپ کے نزدیک عربی کلام الناس نہیں ہر جاؤ نماز کا اعادہ کرو جب معلوم ہوا کہ عربی بھی بندوں کی زبان ہے غرض اس غلطی میں لوگ بہت مبتلا ہیں اسیواسطے اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز اردو یا فارسی میں دعا کرنے سے فاسد ہوجاتی ہے اگرچہ وہ اُسی درجہ کا ترجمہ ہو جو عربی میں پڑھی جاتی ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ غیر عربی میں دعا پڑھنا نماز کے اندر حرام ہے مگر حرمت سے فساد تو لازم نہیں آتا۔ پس اصل مدار مضمون پر ہے جس مضمون کی دعا عربی میں پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اُسی مضمون کی دعا اردو و فارسی میں پڑھنے سے بھی فاسد نہو گی صرف ممانعت ہو گی وہ بھی اُسوقت جبکہ قصداً ایسا کیا ہو اور اگر بھولے سے یا غلبہ حال میں ایسا ہوجائے کہ اردو یا فارسی کی دعا زبان سے نکل جائے تو کراہت بھی نہو گی بشرطیکہ مضمون مفسد نہو ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے جن کا نام مولوی محمد حسین ہے جب وہ مکہ معظمہ گئے تو ایک دن صبح کی نماز شافعی امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے شافعیہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے ہیں حنفیہ اُسوقت خاموش رہتے ہیں مولوی محمد حسین پر قنوت سننے سے ایک حالت طاری ہوئی کہ سب تو خدا سے مانگ رہے ہیں اور میں بت کی طرح خاموش کھڑا ہوں اُنسے نہ رہا گیا اور انہوں نے پندنامہ کے یہ اشعار شروع کردیئے ؎

بادشاہا جرم ما را در گذار	ما گنہگاریم و تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم	جرم بے اندازہ بیحد کردہ ایم
بر در آمد بندۂ بگریختہ	آبروئے خود بعصیاں ریختہ

انہوں نے یہ پوری نظم پڑھ ڈالی اور لوگ چاروں طرف سے متوحش ہو گئے کہ نماز میں یہ کیا ہونے لگا۔ بعد نماز کے لوگوں نے کہا کہ ان کی نماز باطل ہو گئی دوبارہ پڑھنی چاہئے یہ خبر حضرت حاجی صاحب کو پہونچی حاجی صاحب پر معلوم کیا کیا حالتیں گذری تھیں وہ سمجھ گئے کہ انہوں نے غلبۂ حال میں ایسا کیا ہے فرمایا کہ نہیں نماز باطل نہیں ہوئی واقعی صاحب حال کی حالت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر گذری ہو اور جس پر یہ حالتیں نہ گذری ہوں وہ کیا سمجھ سکتا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　حال شیرانی کہ شمشیر بلا بر سر خورند

عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل　　کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

یعنی جو شخص ساحل پر آرام سے کھڑا ہے وہ اس شخص کی حالت کو کیا جانے جو دریا میں غوطے لگا رہا ہے کہ اس کو کن کن مصائب کا سامنا ہو رہا ہے اس شعر کے متعلق ایک لطیفہ ابھی قلب پر وارد ہوا ہے وہ یہ کہ ساحل دو ہوتے ہیں ایک اِدھر کا ساحل اور ایک اُدھر کا ساحل جس پر دریا کو عبور کرکے پہونچتے ہیں تو اس شعر میں اِدھر کا ساحل مراد ہے اُدھر کا ساحل مراد نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص ابھی تک اِدھر کے ساحل ہی پر کھڑا ہے اور دریا میں اس نے قدم بھی نہیں رکھا اسکو دریا میں غوطہ لگانیوالے کا حال کچھ معلوم نہیں ہو سکتا اسلئے اسکو اسپر اعتراض کا حق حاصل نہیں اور جو شخص دریا میں گھسکر تیرتا ڈوبتا دوسرے ساحل پر پہونچ چکا ہو یعنی سلوک کو طے کر چکا ہو اسکو دریا میں چلنے والے کا حال معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اسپر بھی ایک وقت ایسا گذرا ہے جبکہ وہ دریا میں تیرتا اور ڈوبتا ہوا چل رہا تھا اگرچہ اسوقت دوسرے ساحل پر پہونچ جانے کی وجہ سے وہ چین میں ہے پس اسکو سالکین پر اعتراض کا حق بھی حاصل ہے پس اہل ساحل دو قسم کے ہیں ایک وہ جو دریا میں گھسے ہی نہیں یہ تو دریا کی حالت سے بالکل ناواقف ہیں دوسرے وہ جو دریا کو عبور کرکے ساحل پر پہونچا ہے ظاہر میں اس کی حالت بھی پہلے اہل ساحل کے مشابہ ہے دونوں چین میں نظر

آتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ اسکو مصائب جھیلنے کے بعد چین نصیب ہوا ہے اور پہلے ساحل والوں
کو مصائب کا سامنا ہی نہیں ہوا تو دونوں میں اسقدر فرق ہے اسلئے اسکو اعتراض کا حق ہے مگر دوسرا ان لوگوں کو صاحب
حال پر اعتراض کا کچھ حق نہیں اسی واسطے حاجی صاحب اس شخص پر جو اعتراض
کرتے انکو اسکا حق حاصل تھا مگر اسلئے اعتراض نہیں کیا کہ وہ اس حالت کی حقیقت
سے واقف تھے اور جنہوں نے اعتراض کیا انکو یہ حق حاصل نہ تھا غرض عام لوگ
یہ سمجھے تھے کہ اس صورت میں نماز باطل ہو گئی کیونکہ فارسی و اردو میں مطلقاً کچھ پڑھنا
عوام کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہے تو اس غلطی کا منشا یہی ہے کہ یہ لوگ عربی کو تو خدا
کی زبان سمجھتے ہیں اور اردو فارسی کو بندوں کی زبان۔ حالانکہ اگر کوئی مضمون فی
نفسہ مفسد ہو تو اگرچہ وہ عربی ہی میں کیوں نہو مفسد ہو گا۔ جیسے مولوی مغیث الدین
نے فقم محی کہا تھا اور اس سے نماز فاسد ہو گئی تھی۔ تو اس غلطی کا منشا زیادہ تر علما کی
کوتاہی ہے کہ انہوں نے کبھی صاف صاف یہ نہیں کہا کہ اردو میں علم دین پڑھ لینے
سے بھی وہ فضائل حاصل ہو سکتے ہیں جو احادیث و قرآن میں علم کے لئے وارد ہیں
حالانکہ حدیث و قرآن میں کہیں عربی کی تخصیص نہیں۔ چنانچہ اس آیت سے بھی معلوم
ہوتا ہے کہ علم مضر وہ ہے جو آخرت میں کام نہ آوے اور نافع وہ ہے جو آخرت
میں کام آوے۔ اس میں کہیں یہ قید نہیں کہ وہ عربی میں ہونا چاہئے۔ مگر شاید
علمار نے یہ بات صاف صاف اسلئے نہیں کہی کہ انکو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم یہ کہدینگے
کہ اردو میں مسائل جان لینے سے بھی علم کی یہ فضیلتیں حاصل ہو سکتی ہیں تو پھر
ہماری قدر نہ رہے گی پھر تو سارے ہی عالم ہو جاوینگے مگر میں کہتا ہوں کہ اس صورت
میں بھی علما کو نقصان ہوا بلکہ دو نقصان ہوئے ایک عوام کو ایک علمار کو عوام کو
تو یہ نقصان ہوا کہ انہوں نے جب علم کو عربی کے ساتھ مخصوص سمجھا اور عربی پڑھنی
کی سب کو فرصت یا ہمت نہوئی اور اردو میں پڑھنے کو وہ علم ہی نہ سمجھے تو مسائل
شریعت سے بالکل بے خبر رہ گئے اور علم ہی سے محروم ہو گئے۔ علمار کا یہ ضرر ہوا
کہ جب عوام علم سے بالکل محروم ہو گئے تو وہ علما کی قدر و منزلت سے بھی اندھے

ہو گئے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو کچھ تو اس سے مناسبت ہو۔ دیکھو اگر کوئی زمیندار ایک گانوں کے اندر بہت بڑے حصہ کا مالک ہو تو اُسکی قدر و عظمت وہی شخص کر سکتا ہے جسکا کچھ تھوڑا بہت حصہ اُس گانوں میں ہو وہ جان سکتا ہے کہ یہ بڑا ہے اور میں چھوٹا ہوں اور جس شخص کا اُس گانوں میں کچھ بھی حصہ نہو۔ وہ اس زمیندار کی قدر پوری طرح نہیں جان سکتا اسی طرح جوہر کی قدر وہی کر سکتا ہے جس نے عمر بھر میں کبھی جواہر کو پرکھا ہو نا واقف کی نظر میں تو ایک معمولی لال پتھر اور یاقوت دونوں یکساں ہیں ؎

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

تو اے صاحبو! اگر تم عوام کو بادشاہ بنانا نہیں گوارا کرتے تو کم از کم اُن کو جوہری تو بنا دیا ہوتا تاکہ اُن کو اُس جوہر کی قدر ہوتی جو آپ کے پاس ہے اور اب جبکہ وہ دین سے بالکل ہی محروم ہو گئے وہ جانتے ہی نہیں کہ عربی پڑھنے والے کے پاس کیا جوہر ہے تو وہ آپ کی قدر کیا خاک سمجھینگے۔ ہاں اگر وہ کچھ عقائد اور احکام اردو میں پڑھ لیتے پھر اُن ہی عقائد و احکام کی تحقیق آپ کی زبان سے سنتے اُسوقت اُنکو معلوم ہوتا کہ علماء کے پاس یہ جواہرات ہیں اُسوقت البتہ انکو علماء کی قدر ہوتی۔ مگر خدا کے واسطے کوئی صاحب اسی نیت سے عوام کو تعلیم نہ دینے لگیں یہ تو میں نے اسلیئے بیان کر دیا ہے کہ اگر کسی کو اردو میں علم پڑھانے سے اسلیئے رکاوٹ ہو کہ ہماری قدر کون کرے گا تو وہ یہ سمجھ لے کہ اردو میں اگر عوام کو دین کا علم حاصل ہو گیا تو وہ اُسوقت سے زیادہ آپ کی قدر کرینگے یعنی یہ میں بطور تنزل کے کہتا ہوں کہ بیقدری کا اندیشہ مت کرو ورنہ حقیقت میں عوام کی قدر و بیقدری ہی کیا جسکی پروا کیجائے عوام کی رضا اور اعتقاد ہے کیا چیز جسکا خیال کیا جاوے علماء کا مذاق تو یہ ہونا چاہیئے ؎

دلآرامی کہ داری دل درو بند   دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

عوام قدر کرکے تم کو کیا دینگے صرف دنیا کے چند ٹھیکرے تو اس کی اُس کمال کے سامنے ہستی کیا ہے جو علم سے آپکو حاصل ہے ؎

خلیل آسا در ملک یقین زن نوائے لا احب الآفلین زن

؎

زر و نقرہ چیست تا مجنوں شوی چیست صورت تا چنیں مفتوں شوی

مگر افسوس آجکل علماء میں یہ مذاق بہت ہی کم رہگیا ہے آجکل اکثر لوگ علم کے بعد بھی عوام کی نظروں میں جاہ اور قدر و منزلت کے طالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کی خاطر وہ بعض دفعہ ایسے کاموں میں پڑ جاتے ہیں جنکو اندر سے اُنکا دل قبول نہیں کرتا۔ بعض لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں جگہ رہ کر عوام کی نظروں میں ہماری وقعت نہو گی یا کم ہو گی تو اُس جگہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں اُن کی وقعت زیادہ ہو بعض لوگوں کو اسکا اہتمام ہوتا ہے کہ جب ہم بازار میں یا کسی اور جگہ جاویں تو دو چار آدمی ہماری ساتھ چلنے والے ہوں تنہا چلنا اُنہیں گوارا نہیں ہوتا حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کی ساتھ راستہ میں کچھ صحابہ ہو جاتے تو آپ بعض کو آگے کر دیتے اور بعض کو پیچھے آپ سب کے آگے نہ چلتے تھے اسی طرح مجلس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم جہاں جگہ پاتے وہیں بیٹھ جاتے۔ آپ کی نشست کے لئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی کہ باہر سے آنیوالوں کو یہی نہ معلوم ہوتا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس مجمع میں کون سے ہیں جبتک کہ وہ خود یہ سوال نکرتا من محمد فیکم کہ تم میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کون سے ہیں۔ صحابہ اسکے جواب میں فرماتے ھذا الابیض المتکئ یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ ہیں گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ پہونچے تو مدینہ والے شہر سے باہر حضور کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رض بھی آپ کے ساتھ تھے اور حضرت ابوبکر رض کی عمر حضور

صلے اللہ علیہ وسلم سے دو ڈھائی برس ہی کم تھی مگر اُنکے قویٰ حضور جیسے نہ تھے اسی لئے وہ باوجود چھوٹے ہونے کے دیکھنے میں بڑے معلوم ہوتے تھے کیونکہ اُنکے بال زیادہ سفید ہو گئے تھے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قویٰ نہایت اچھے تھے اُسوقت آپ کا ایک بال بھی غالباً سفید نہوگا کیونکہ وصال کیوقت حضور کے چند گنتی کے بال سفید تھے اور ہجرت کا واقعہ وصال سے دس برس پہلے ہوا ہے تو اُسوقت تو ایک بال بھی شاید آپ کا سفید نہوگا۔ اسلیئے اکثر لوگ حضرت ابوبکر رضؓ کو رسول اللہ سمجھے پس سب لوگ حضرت ابوبکر رضؓ ہی سے آکر مصافحہ کرتے حضور سے کوئی مصافحہ نکرتا مگر اللہ رے تواضع کہ نہ حضور ہی نے خود یہ فرمایا کہ مجھسے مصافحہ کرو میں محمد رسول اللہ ہوں اور حضرت ابوبکر کی یہ سادگی کہ انہوں نے مصافحہ سے انکار نکیا جو کوئی اُنسے مصافحہ کرتا بے تکلف ہاتھ بڑھا دیتے انہوں نے حضور کی راحت کا خیال کیا ہوگا کہ حضور کو اتنی بھی تکلیف کیوں دی۔ الغرض دیر تک لوگ حضرت ابوبکر ہی کو رسول اللہ سمجھتے رہے تھوڑی دیر میں جب حضور پر دھوپ آنے لگی اُسوقت صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر سے حضور پر سایہ کرنے لگے جب سب کو معلوم ہوا کہ یہ خادم ہیں جنسے ہمنے مصافحہ کیا تھا اور دوسرے مخدوم ہیں بھلا کچھ حد ہے اس تواضع اور سادگی کی مگر آجکل تو لوگ خود بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کوشش بھی نکرے تو عوام کے مصافحہ اور ہاتھ پیر چومنے سے اُسکو شبہ ہو جاتا ہے کہ میں ضرور کچھ ہوں جبھی تو یہ لوگ میری اسقدر تعظیم کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ انسان کو اپنے عیوب حالانکہ خوب معلوم ہوتے ہیں جنکو دوسرے نہیں جانتے تو گویا دوسرے لوگ اسکے عیوب سے جاہل ہیں مگر یہ شخص اُن جاہلوں کی تعظیم وتکریم سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں واقع میں اسی قابل ہوں اور جو عیوب اسے یقیناً اپنے اندر معلوم ہوتے ہیں اُنسے قطع نظر کر لیتا ہے بلکہ اُنکو بھول جاتا ہے جیسے حکایت ہے کہ ایک نائن نے

ایک بی بی کو تھوا دتار منہ دھوتے دیکھا تھوادتار نے سے سمجھی کہ بیوہ ہوگئی دوڑی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آئی کہ کیا بیٹھا ہے فلانے کے پاس (یعنی اس بی بی کے شوہر کے پاس) دوڑا اور خبر کر کہ تمہاری بی بی بیوہ ہوگئی وہ نائی بھی ایسا ہی احمق تھا پہونچا وہ شخص بھی بیوقوف ہی تھا نائی سے پوچھا کہ گھر میں خیریت ہے نائی نے کہا کہ حضور اور تو سب خیریت ہے مگر آپکی بیوی بیوہ ہوگئی۔ بس یہ خبر سنکر آپنے رونا پیٹنا شروع کر دیا ایک دوست اُنسے ملنے آئے پوچھا خیر تو ہے یہ رونا پیٹنا کیوں ہو رہا ہے کہنے لگے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔ اُسنے کہا کہ خدا کے بندے ہوش سے کام لے جب تو زندہ سلامت موجود ہی تو بیوی کیونکر بیوہ ہوگئی تو آپ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں مگر گھر سے آیا ہے معتبر نائی۔ بس یہی حالت آجکل اکثر لوگوں کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنے عیوب کو اچھی طرح جانتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کسی قابل نہیں مگر لوگوں کی تعظیم و تکریم سے یہ خیال کرتے ہیں کہ معتبر لوگ میرے معتقد ہیں کہ شاید ان لوگوں کو میری حالت مجھسے زیادہ معلوم ہو اور میرے اندر وہ عیوب بھی شاید نہوں جو مجھکو معلوم ہوتے ہیں بس وہی قصہ ہو رہا ہے کہ گھر سے آیا ہی معتبر نائی

ایک میانجی لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے ایک دن لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج کسی طرح چھٹی لینی چاہیے سبکے اتفاق سے یہ بات قرار پائی کہ جب میانجی آویں تو ایک لڑکا غمگین صورت بنا کر اُنسے یہ کہے کہ حضور خیر تو ہے آج آپکا چہرہ کچھ اُترا ہوا ہے پھر سب لڑکے ایک ایک کر کے یہی کہیں چنانچہ میانجی آئے اور ایک لڑکا منہ بنا کر اُنکے پاس گیا اور کہا حضور آج مزاج کیسا ہی خیر تو ہے کچھ چہرا اُترا اترا معلوم ہوتا ہے میانجی نے اُسکو تو ڈانٹ دیا کہ جا بیٹھ کام میں لگ میں تو اچھا خاصا ہوں ابھی پیٹ بھر کے کھانا کھا کر آیا ہوں وہ تو بیٹھ گیا دوسرا پہونچا میانجی نے اُسے بھی دھتکار دیا تیسرا پہونچا اب میانجی کو وہم ہونا شروع ہوا اُسے بھی ٹال دیا مگر نرمی سے اب وہ تیزی نرہی چوتھا پہونچا اب تو میانجی کو قوی شبہ ہوگیا کہ واقعی میرا چہرہ اُتر رہا ہوگا جبھی تو یہ سب کے سب مزاج پرسی کر رہے ہیں اسکے

بعد ایک اور آیا بس ابتو اُنکو خاصا بخار ہو گیا اور کپڑا اوڑھکر گھر چلدیئے اور مکتب بند کر دیا لڑکوں کو چھٹی ملگئی اب ملاجی گھر میں پہونچے آہ آہ کرتے ہوئے بیوی نے کہا کہ کیا ہوا ابھی تو یہاں سے اچھے خاصے گئے تھے ملاجی کہاں تھے ڈنڈا لے کر اُسکے سر ہو گئے کہ تو تو یہی چاہتی ہے کہ میں مرجاؤں اور تو دوسرا نکاح کرے یوں کہتی ہے کہ تم تو ابھی اچھے خاصے گئے تھے ہیں اچھا خاصا گیا تھا۔ اُسیوقت میرا چہرہ اترا ہوا تھا لڑکوں کو معلوم ہو گیا اور تجھے نہ معلوم ہوا کہ میں بیمار ہوں غرض اس قصہ میں آس پاس کے لوگ بھی آگئے اور پوچھنے لگے کہ ملاجی کیوں غصے ہو رہے ہو ملاجی نے بیوی کی شکایت کی جب ایک شخص نے کہا کہ میاں جی تمہاری عقل کہاں ہے یہ تو لڑکوں کی ایک شرارت تھی وہ تمسے چھٹی لینا چاہتے تھے اور وہ ابھی راستہ میں کہتے جارہے تھے کہ آج ہمنے خوب چھٹی لی تم بیوقوف تھے اُنکے بہکانے میں آگئے تب ذرا ملاجی کے حواس درست ہوئے۔ صاحبو! اس حکایت میں تو ہر شخص اُس ملا کو بیوقوف بتانے کو تیار ہوگا مگر اس کی خبر نہیں کہ اس بیوقوفی میں ہم سب مبتلا ہیں کہ جہاں چار آدمیوں نے ہمارے ہاتھ پیر چومنے شروع کیئے اور ہم کو سچ مچ اپنی بزرگی کا وہم ہونے لگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اینش گوید نے منم انباز تو	آنش گوید نے منم ہمراز تو
او چو بیند خلق را سرمست خویش	از تکبر می رود از دست خویش
اشتہار خلق بند محکم ست	بند اوا ز بند آہن کے کم ست
خویش را رنجور سازد زار زار	تا ترا بیروں کنند از اشتہار

یہ تو باطنی ضرر ہے عوام کی تعظیم و تکریم میں اور ظاہری ضرر دنیا کا یہ ہوا کہ ؎

خشمہا و چشمہا و رشکہا | بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

کہ جہاں عوام نے کسی کی تعظیم و تکریم زیادہ شروع کی اور لوگوں کو اُس کی ساتھ حسد ہوا اور بہت سے دشمن اُسکے پیدا ہو جاتے ہیں جو اس تعظیم و تکریم کو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے رات دن اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ کسی طرح اسکو

عوام کی نظروں سے گرادیں بس عافیت میں وہ لوگ ہیں جو گمنام ہیں جنکو کوئی پوچھتا ہی نہیں نہ اُنسے کسی کو حسد ہے نہ عداوت ؎

آنانکہ بکنج عافیت بنشستند	دندان سگ و دہان مردم بستند
کاغذ بدریدند و قلم بشکستند	وز دست و زبان حرف گیراں رستند

میں یہ کہہ رہا تھا کہ عوام کی قدر اور تعظیم و تکریم اور اُنکی نظروں میں عزت و جاہ ایسی چیز نہیں ہے جس کی طلب کیجائے ایسی جیسی عوام کی رضا کی انسان کو خصوص عالم کو رضائے حق کا طالب ہونا چاہیئے کیونکہ عوام کے اعتقاد کی مضرتیں میں آپکو بتلا چکا ہوں کہ اس سے باطن و ظاہر دونوں کا ضرر ہوتا ہے الا من عصمہ اللہ پس علماء کو علم کی فضیلت عزت ہی کیساتھ خاص نکرنا چاہیئے اور نہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اگر اردو پڑھنے والا بھی عالم کی برابر فضیلت میں ہوگیا تو ہم کو کون پوچھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس خیال کو دل سے نکالدو اور اپنے کو مٹادو دیکھو پھر تمہاری ہی قدر ہوگی کچھ خاصیت ہے مٹانے میں کہ اس سے زیادہ شہرت ہوتی ہے میں تو کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ طالب جاہ ہیں اُنکو جاہ حاصل کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا۔ جاہ بھی ترک جاہ ہی سے حاصل ہوتی ہے طلب سے حاصل نہیں ہوتی مگر اس نیت سے اگر کوئی ترک جاہ کرے تو وہ یاد رکھے کہ ثواب کچھ نہ ہوگا تواضع اس نیت سے کرنا کہ ہم متواضع مشہور ہوجاینگے تکبر ہی میں داخل ہے بس مٹانے میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے شہرت ہوجاتی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو ۔۔۔ کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم سارے عالم کو عالم بنادوگے جب بھی بڑے تم ہی ہوگے کیونکہ تم پھر بھی استاد ہوگے اور سب لوگ تمہارے شاگرد ہونگے شاگرد چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوجائے آخر تو رتبہ میں استاد سے کم ہی ہے گو ظاہر میں بڑا معلوم ہو جیسے کوئی شخص اپنے چھوٹے بھائی کو خوب دودھ گھی کھلادے تاکہ موٹا تازہ ہوجاوے اور چند سال میں وہ ایسا تیار ہوجائے کہ بڑا بھائی اُس سے

چھوٹا معلوم ہونے لگے تو کیا رتبہ میں بھی وہ چھوٹا ہو جائیگا ہرگز نہیں بڑا بھائی پھر بھی بڑا ہی رہیگا - اور جب سب لوگ تمہارے شاگرد ہو جاوینگے اُسوقت تمہاری اُسوقت سے زیادہ قدر ہوگی کیونکہ وہ جانینگے کہ انکے پاس علمی جوہر ہے میزان پڑھنے والا شرح ملا جامی پڑھنے والے کی اسلئے قدر کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اسدرجہ کا طالب علم ہے اور جس نے کچھ بھی نہ پڑھا ہو اُسکے نزدیک میزان اور شرح جامی پڑھنے والا یکساں ہے - الغرض علماء کو چاہیئے کہ نصاب تعلیم کو وسیع کریں پس ایک نصاب تو مکمل ہونا چاہیئے اُن لوگوں کے لئے جنکو عربی پڑھنے کے لئے فراغت اور فرصت ہے - دوسرا نصاب عربی میں اُن لوگوں کے لئے ہونا چاہیئے جنکو عربی پڑھنے کا شوق ہے مگر فرصت کم ہے تیسرا نصاب اردو میں اُن لوگوں کے لئے ہونا چاہیئے جو عربی نہیں پڑھ سکتے اُنکو اردو میں ضروریات دین پڑھا کر عقائد و احکام معاملات سے آگاہ کر دینا چاہیئے اور ایک چوتھا نصاب اُن بوڑھے طوطوں کے لئے مقرر کرنا چاہیئے جو اردو بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ ان بوڑھے آدمیوں کو اب مکتب میں جا کر پڑھنا دشوار ہے اُن کے لئے یہ تدبیر ہونی چاہیئے کہ ایک عالم ہر ہفتہ میں کتاب ہاتھ میں لیکر اُنکو مسائل سنا دیا کرے اور اچھی طرح سمجھا دیا کرے - اس طریقہ سے گانوں والے بھی تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں گانوں والوں کو چاہیئے کہ ایک عالم کو اپنے گانوں میں رکھ لیا کریں دس پندرہ روپیئے ماہوار میں ایسا عالم اُنکو ملجائیگا جو ضروری مسائل اُنکو بتلا دیا کریگا - اور علماء کو بھی چاہیئے کہ دیہات والوں کی تعلیم کیطرف توجہ کریں اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر تم اُنکو تعلیم یافتہ بنا دوگے تو وہ کسی کے دھوکہ میں نہ آوینگے ورنہ کوئی دوسرا جاہل واعظ اُنکو بہکا دیگا پھر جو وقعت آج تمہاری گانوں میں ہو رہی ہے وہ سب جاتی رہیگی چنانچہ ایسے قصے بہت پیش آتے ہیں ایک شخص گانوں میں گیا اور اُسکو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح ان ملاؤں کو یہاں سے نکلوانا چاہیئے اُسنے یہ تدبیر کی کہ ملاؤں کا امتحان لینا شروع کیا سب سے پوچھتا کہ

نمی دانم کے کیا معنے ہیں اگر اُسکو معنے معلوم نہوے تب تو وہ ذلیل ہوتا ہی تھا اور اگر معنے معلوم ہوئے تب بھی وہ یہی کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کیونکہ نمی دانم کے معنے یہی ہیں اسپر وہ کہدیتا کہ دیکھو خود اقرار کرلیا کہ میں نہیں جانتا اپنی جہالت کا خود معترف ہے بس گانوں والے سمجھ جاتے کہ واقعی یہ ملا جاہل ہے اُسکو نکالنا چاہئے ایک اور شخص گانوں میں گیا اور وہاں کے ملا سے پوچھا کہ بتلاؤ ایمان نقطہ دار ہے یا بے نقطہ دار۔ ظاہر میں تو اسکے جواب میں یہی کہا جاتا کہ منقوطہ ہی کیونکہ ایمان میں ی اور ن منقوطہ ہیں مگر اسکا یہ مقصود ہی نہ تھا۔ وہ ملا بڑا ہوشیار تھا اُسنے کہا کہ ایمان غیر منقوط ہے ممتحن نے پوچھا کیسے اُسنے کہا دیکھو ایمان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نام ہے اور اس کلمہ میں کسی حرف پر نقطہ نہیں اسپر وہ ممتحن بولا کہ تمنے جواب تو صحیح دیا مگر وجہ غلط بیان کی اُس نے کہا اچھا تم صحیح وجہ بتلاؤ ممتحن کہنے لگا کہ ایمان اسواسطے غیر منقوط ہے کہ جب تم کسی سے پوچھتے ہو کہ تم مسلمان ہو تو وہ جواب میں کہتا ہے الحمد للہ اور دیکھو اسمیں نقطہ نہیں اُس ملا کو فکر ہوئی کہ کسی طرح اس کی بات کو گانوں والوں کے سامنے غلط کرنا چاہئے کہنے لگا کہ یہ وجہ بالکل صحیح نہیں کیونکہ لوگ اس سوال کے جواب میں الحمد للہ نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں شکر الحمد للہ۔ اور اس جواب میں شین پر نقطے ہیں اسلئے وجہ وہی صحیح ہے جو میں نے بیان کی بس اتنی بات پر ملا جیت گیا اور گانوں میں شہرت ہو گئی کہ ہمارا ملا بڑا پڑھا ہوا ہے۔ غرض گانوں والونکو پڑھا دینے میں یہ بھی نفع ہے کہ تم گانوں میں جمے رہو گے کوئی اُنکو بھگا نہ سکے گا یہ تو ہنسی کی بات تھی اگر تم جم بھی نہ سکو تو تمھارا اجر خدا کے ذمہ ہی ثواب تو کہیں نہیں گیا یہ کیا تھوڑی بات ہے اسلئے تم روٹیوں کی فکر نکرو خدا کو راضی رکھنے کا قصد کرو۔ عالم کو روزی کا فکر نکرنا چاہئے اسکی تو یہ شان ہونی چاہئے ع

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی	بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں	شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اور عالم کو اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہونا چاہیئے۔ مخلوق کے روپیئے پر نظر نکرنی چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے ؎

ما اگر قلاشِ وگر دیوانہ ایم　　مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

؎

او ست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　مر عسس را دید و در خانہ نہ شد

میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں خود وہ لذت ہے جسکے سامنے تمام لذتیں ہیچ ہیں عالم ہوکر پھر دنیا کی طمع ہو تعجب ہے دنیا ہے کیا چیز علم کے سامنے اُس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ رہا روٹی کپڑا سو اُس سے بیفکر رہو جس کے پاس علم ہو وہ بھوکا نہیں رہا کرتا اور اس سے زیادہ کی تم کو ضرورت نہیں بس اہل علم کو استغناء کیساتھ رہنا چاہیئے کہ اہل دنیا کو ہرگز یہ وسوسہ بھی نہ آسکے کہ علماء کو ہماری طرف احتیاج ہے۔ صاحبو! کیا تم کیمیاگر سے بھی گئے گذرے کہ وہ ذراسی بے حقیقت چیز پر ایسا مستغنی ہو جاتا ہے کہ نوابوں اور بادشاہوں کی بھی اپنے سامنے کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور تمہارے پاس اتنی بڑی کیمیا ہے جسکے سامنے ہزار کیمیا گرد ہیں یہ علم کی کیمیا وہ چیز ہے جس سے جنت اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے جسکے آگے واللہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے پھر حیرت ہے کہ تم اتنے بڑے کیمیاگر ہوکر اہل دنیا کی خوشامد کرو اُنکے روپیئے پیسے پر نظر کرو۔ بس تم کو اس کی فکر نکرنی چاہیئے کہ سب لوگوں کو عالم بنانے کے بعد تم کو کون پوچھیگا میں کہتا ہوں کہ تم کو خدا پوچھے گا جسکے ہاتھ میں زمین آسمان کے خزانے ہیں اور جب خدا تم کو پوچھیگا تو وہ ہرگز تم کو بھوکا نہ مارے گا پھر تم کو کیا فکر لہذا علم دین کی تعلیم بہت عام ہونی چاہیئے جسکا طریقہ میں بتلا چکا ہوں اب صرف عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ رہگیا سو عورتوں کو اُنکے مرد پڑھا دیا کریں اور جب ایک عورت تعلیم یافتہ ہو جائے تو پھر وہ بہت سی عورتوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے۔ یہ سمجھکر میں نے ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تھوڑے ہی عرصہ

ہیں سب مسلمان عالم بن سکتے ہیں مگر اس طریقہ پر عمل کرنا شرط ہے اور وہ بھی استقلال کیساتھ مگر افسوس یہی ہے کہ مسلمانوں میں استقلال نہیں کسی کام کو نباہ کر نہیں سکتے اور علم نباہنے کی چیز ہے کیونکہ اسکا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا یہ تو ساری عمر کا کام ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود

جیسا کہ ایک ظریف بزرگ نے ایک لڑکے کی بابت پوچھا تھا کہ یہ کیا پڑھتا ہے باپ نے کہا کہ حضرت قرآن حفظ کرتا ہے فرمایا ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا۔ انھوں نے قرآن حفظ کرنے کو جنم روگ کہا۔ کیونکہ واقعی قرآن کا حفظ کرنا تو ایک دو سال کا کام ہے مگر اسکی نگہداشت ساری عمر کا کام ہے جہاں ذرا غفلت کی اور یہ ذہن سے نکلا اسلئے ہر سال اسکا دور اور تکرار کرنا اور محراب سنانا اور روزانہ منزل پڑھتے رہنا ضروری ہے اسی لئے اسکو جنم روگ کہا۔ مگر ایسا روگ مبارک ہے جس سے خدا راضی ہو اسی طرح سمجھ لو کہ یہ علم بھی جنم روگ ہے اسکا سلسلہ ساری عمر باقی رکھنا چاہئے حدیث میں ہے منہومان لا یشبعان طالب الدنیا وطالب العلم یعنے دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب دنیا کہ دنیا سے اسکا پیٹ ہی نہیں بھرتا دوسرے طالب علم کہ جب علم کا چسکہ اسکو لگ جاتا ہے تو پھر اسکا پیٹ بھی علم سے نہیں بھرتا اور وجہ یہ ہے کہ علم کا سلسلہ غیر متناہی ہے تو اسکی طلب بھی غیر متناہی ہوتی ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست — ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

اگر آپ یہ کہیں کہ ساری عمر کا سلسلہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا ایک دو دن کا کام ہو تو کر لیا جائے میں کہتا ہوں کہ پھر کھانا بھی چھوڑ دیجئے اور کہدیجئے کہ ہمسے یہ دو وقت کی روٹی کا دھندا نہیں ہو سکتا آخر اس دھندے کو ساری عمر کے لئے آپ نے کیونکر گوارا کر لیا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تو غذا ہے جسپر زندگی موقوف ہے میں کہتا ہوں کہ وہ جسمانی غذا ہے اور علم روحانی غذا ہے روحانی زندگی علم ہی پر موقوف ہے اور جس طرح روٹی کھانا آپکو روزانہ سہل ہے اسی طرح آپ علم میں مشغول ہو کر

دیکھیں پھر وہ بھی آپ کے لئے سہل ہو جائے گا اور جب علم کا چسکہ لگ جائے گا تو پھر آپکو اسکے بغیر چین نہ آئے گا پھر اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے جو شخص طلب علم میں مرتا ہے اسکو شہید کا ثواب ملتا ہے صاحبو! حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈھتے ہیں امام محمد رح کو کسی نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے فرمایا کہ مجھکو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا حکم ہوا کہ اے محمد مانگو کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دیجائے ارشاد ہوا کہ اگر ہم تم کو عذاب کرنا چاہتے تو علم عطا نکرتے تم کو ہمنے اپنا علم اسی لئے عطا کیا تھا کہ ہم تمکو بخشنا چاہتے تھے لہذا مغفرت تو ہے ہی کچھ اور مانگو سبحان اللہ دیکھئے علم دین کی کیسی فضیلت ہے واقعی حق تعالیٰ بخشنے کے واسطے بہانہ ڈھونڈھتے ہیں چنانچہ قرآن میں ایک جگہ خود ارشاد فرماتے ہیں ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم وکان اللہ شاکرا علیما یعنے اگر تم خدا کی نعمتوں کا شکر کرو جسکی تفسیر یہ ہے کہ ایمان لاؤ یہ واؤ عطف تفسیری کیلئے ہے تو حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کرینگے یعنی تمہارے عذاب کرنے میں خدا کا کونسا نفع ہے اور حق تعالیٰ بڑے قدردان ہیں جاننے والے ہیں انکو سب خبر ہے کہ کون ایمان دار ہے کون نہیں اور وہ ہر مسلمان کے ایمان کی قدر فرمائینگے۔ اس آیت میں کیسی بلاغت ہے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو ہم تم کو عذاب نکرینگے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تمکو عذاب کر کے کیا کریں گے اس عنوان میں جسقدر بلاغت ہے اہل لسان و اہل ذوق اسکو سمجھ سکتے ہیں۔ واقعی حق تعالیٰ کا ہمارے عذاب میں کیا نفع ہے وہ تو ہر وقت بخشنے کے لئے تیار ہیں کوئی اپنے کو بخشوانا بھی چاہے ایک بت پرست ہمیشہ بت کو پوجتا تھا اور نوے سال تک صنم صنم کا ورد کرتا رہا۔ ایک دن بھولے سے اسکی زبان سے بجائے صنم کے صمد نکل گیا فوراً آواز آئی لبیک یا عبدی لبیک کہ اے میرے بندے میں موجود ہوں اس آواز پر وہ رونے لگا اور بت

کو اٹھا کر پھینکدیا کہ کمبخت تجھکو نوے سال تک میں پکارتا رہا اور تونے ایک دن بھی میری بات کا جواب ندیا میں قربان جاؤں اُس خدا کے جس سے نوے سال تک میں بیرخی کرتا رہا اور ایک بار بھولے سے اُس کا نام زبان سے نکلگیا تو اُسنے فوراً "مجھپر توجہ کی۔ صاحبو! جب ایک بت پرست کے بھولے سے یاد کر لینے پر اتنی توجہ ہوتی ہے تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر متوجہ نہونگے اگر وہ خدا کو راضی کرنا چاہیں ضرور متوجہ ہونگے ذرا آپ خدا کو راضی کرنیکا قصد تو کیجئے وہ تو یوں فرماتے ہیں ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تو تعلم میں یہ کتنا بڑا نفع ہے کہ اُس سے رضائے حق نصیب ہوتی ہے اسلئے اُس کے سلسلہ کو بند نکرنا چاہیئے اور اگر کبھی سلسلہ ٹوٹ جاوے تو اُسکو پھر جوڑ لینا چاہیئے اگر کسی سے پابندی کے ساتھ نہو سکے تو بد دن پابندی ہی کے علم حاصل کرتا رہے نہ ہونیسے ہونا پھر بھی غنیمت ہے اسی طرح کرتے کرتے انشاء اللہ ایک دن نظام بھی پیدا ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی | کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

واقعی مولانا بڑے حکیم ہیں کسی حال میں سالک کو مایوس نہیں کرتے فرماتے ہیں کہ اگر ذکر و شغل میں پابندی اور انتظام نہو تو اسی طرح بغیر پابندی اور بیڈھنگے پن ہی سے کرتے رہو دوست کو یہ بھی محبوب ہے آگے دلیل کیا عمدہ بیان فرمائی ہے کہ بیڈھنگی کوشش سورہنے سے تو بہتر ہی ہے۔ کیونکہ یہ شخص کوشش تو کر رہا ہے اور جو بالکل ہی چھوڑ کر الگ ہو گیا وہ تو اتنی کوشش بھی نہیں کرتا اور اگر کسی سے تعلیم و تعلم کا مشغلہ بالکل ہی نہو سکے اُسکو چاہیئے کہ کم از کم علما سے ملتا جلتا رہے اور اُنسے دین کے مسائل پوچھتا رہے اور اُن کی صحبت میں کچھ عرصہ تک مقیم رہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ علم میں مشغول ہونے کی ساتھ بھی اسکو اختیار کرنا

چاہیے فقط کتابیں پڑھ لینے پر کفایت نکرنی چاہیے کیونکہ ایک چیز ایسی ہے جو بدون صحبت کے حاصل نہیں ہوتی وہ دین کی مناسبت ہے۔ دین کیساتھ تعلق اور مناسبت بدون صحبت کے نہیں ہوتی صحبت کا وہ اثر ہے جسکو شیخ سعدی رح نے بیان فرمایا ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت صحبت ہی کیوجہ سے ہوئی کہ آج کوئی امام اور فقیہ اور کوئی بڑے سے بڑا ولی ادنی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہونچ سکتا حالانکہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ بہت سے علوم تو صحابہ کے بعد پیدا ہوئے اُنکے زمانہ میں ان علوم کا پتہ بھی نہ تھا جو آجکل کثرت سے موجود ہیں اُن کا یہی کمال تھا کہ وہ ان علوم میں مشغول نہوئے تھے کیونکہ ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند — دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد
زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند — اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

بس صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ کی صحبت اُنکو نصیب تھی پس یاد رکھو کہ صحبت بدون علم متعارف کے مفید ہو سکتی ہے مگر علم متعارف بدون صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آجکل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر اُنمیں کام کے علماء دو چار ہی ہیں جنکو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔ الغرض میں نے ثابت کر دیا کہ علم سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے اور کسی کے پاس جاہل رہنے کے لئے کوئی عذر نہیں گو عربی میں دل

درس کے طور پر نہ سہی البتہ یہ جو طبقہ متمول مالداروں کا ہے جنکو خدا نے ہر طرح سے دنیا کی فراغت عطا کی ہے کہ نہ اُنکو ملازمت کی ضرورت ہے نہ کھانے پینے کا فکر ہے خدا کا دیا ہوا اُنکے پاس سب کچھ ہے اور اتنا ہے کہ کئی پشتوں کے لئے کافی ہے اُن کے ذمہ ضرور یہ حق ہے کہ یہ لوگ متبحر عالم بنیں کیونکہ آجکل جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں اُنکو بہت جلد اہل وعیال کے نفقہ کی فکر ہو جاتی ہے اسلئے وہ کمال تبحر حاصل نہیں کر سکتے مگر نہایت افسوس ہے کہ ان لوگوں کو کچھ بھی فکر نہیں یہ تو اگر ساری عمر علم میں گزار دیں تو انکو بہت آسان ہے مگر سب سے زیادہ بے توجہ یہی طبقہ ہے اور اگر کچھ توجہ ہے بھی تو انگریزی کیطرف میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ انگریزی نہ پڑھیں نہیں اپنی دنیوی ضروریات کے لیے ضرور پڑھیں مگر اُنکو ڈگری اور پاس حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ یہ لوگ ملازمت سے مستغنی ہیں جب اُنکو ملازمت کی ضرورت نہیں تو بس بقدر ضرورت اپنے گھر پر کسی ماسٹر کو ملازم رکھکر انگریزی سیکھ لیں جس سے اپنی ریاست وتجارت کا کام چلا سکیں اور بقدر ضرورت انگریزی بہت جلد آسکتی ہے زیادہ عرصہ تو اس ڈگری اور پاس میں لگتا ہے تو ان لوگوں کو انگریزی پڑھنے سے میں منع نہیں کرتا ہاں یہ کہتا ہوں کہ بہت پاس نہ جائیں دور ہی دور رہیں اور اتنی انگریزی تو عربی سے فارغ ہونیکے بعد بھی یہ لوگ سیکھ سکتے ہیں مگر یہ لوگ تو زیادہ مال وجاہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اسلئے انگریزی میں ڈگریاں حاصل کرکے ملازمت کرتے ہیں۔ اس حرص کیوجہ سے یہ طبقہ سب سے زیادہ دین سے محروم ہے حالانکہ انکو تو مولانا نظامی کے قول پر عمل کرنا چاہیئے تھا ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسے | کہ بازار حرصش نباشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود | کند کارے ار مرد کارے بود

ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ جب خدا نے انکو فراغت دی تھی تو بے فکر ہو کر دین کی خدمت میں لگتے اور ساری عمر اسی میں ختم کر دیتے پھر آپ دیکھتے کہ علما میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوتے میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں مشغول ہو کر اُنکو وہ لذت

آتی کہ کبھی سیری نہوتی۔ یہ تو خدا کا راستہ ہے کہ قطع کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اسکی طلب کبھی کم نہیں ہوتی وہ حال ہو جاتا ہے ؎

نگویم کہ بر آب قادر نیند
کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

بجز البعض دفعہ جو کوئی نیا علم قلب پر وارد ہوتا ہے اُس کا لطف ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی مجھے اُسکے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دینا چاہے تو میں ہرگز گوارا نکروں۔ اگر قدر شناسی ہو تو ایک نکتہ علم کا ایسا ہوتا ہے جسکے سامنے ساری دنیا گرد ہے۔ چنانچہ شعرا جب کوئی عمدہ شعر کہتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ یہ شعر ہزار روپیہ کا ہے لاکھ روپیہ کا ہے ایک شاعر تھا ایک لڑکا اُس سے شعر سیکھتا تھا اُسنے ایک بیاض بنا رکھی تھی جس میں اُستاد کا کلام جمع کرتا رہتا تھا کبھی اُستاد اُس سے یہ کہتا کہ یہ شعر پانچسو روپیہ کا ہے۔ کبھی یہ کہتا کہ یہ شعر ہزار روپیہ کا ہے وہ لڑکا خوش ہو کر سب شعروں کو لکھتا جاتا۔ ایک دن اس کی ماں نے کہا کہ تو کیا کرتا ہے نہ کچھ کماتا ہے نہ لاتا ہے اُس نے کہا کہ میرے پاس اسوقت لاکھوں روپیے کے اشعار جمع ہیں کوئی شعر پانچسو کا ہے کوئی ہزار کا ہے اُسکی ماں نے کہا کہ اچھا آج تو ہمیں ایک پیسہ کی ترکاری لادے اُسنے کہا بہت اچھا آپ کنجڑن کے پاس گیے کہ مجھے ایک پیسہ کی ترکاری دیدے اُسنے کہا لاؤ پیسہ تو آپنے ایک شعر اُسکو سنا دیا کہ ہمارے پاس پیسہ تو نہیں البتہ یہ شعر تم لے لو یہ پانسو روپیہ کا ہے اُسنے کہا کہ مجھے ان پانچسو روپیے کی ضرورت نہیں مجھے تو آپ ایک پیسہ لا دیجیے جب ترکاری ملے گی لڑکے کو بہت غصہ آیا اور اُستاد سے جا کر کہا کہ لیجیے اپنی بیاض آپ نے مجھے بہت دھوکہ دیا یہ اشعار تو ایک پیسہ کے بھی نہیں اور آپ کہا کرتے تھے کہ یہ ہزار کا ہے یہ دو ہزار کا ہے اُستاد نے پوچھا کہ صاحبزادے تم ان اشعار کو کس کے پاس لے گئے تھے کہا میں نے ایک کنجڑن کو ایک شعر دینا چاہا تھا اُسنے ایک پیسہ کو بھی نہ لیا اُستاد نے

کہا کہ تم نے بڑی غلطی کی ان جواہرات کے فروخت کرنے کے لئے وہ بازار نہ تھا جہاں تم انکو لیگئے انکا بازار دوسرا ہے وہاں انکی قیمت معلوم ہوگی اچھا اب تم ہمارا فلاں قصیدہ بادشاہ کے دربار میں جاکر پڑھو اور کہدینا کہ یہ قصیدہ میں نے خود لکھا ہے پھر تم کو انکی قدر معلوم ہوگی چنانچہ لڑکا دربار شاہی گیا اور وہاں جاکر وہی قصیدہ بادشاہ کو سنایا پھر تو ہزاروں روپیے انعام میں ملے اور خلعت وغیرہ بھی دیا گیا اُسوقت لڑکے کو معلوم ہوا کہ واقع میں اُستاد سچا تھا میں نے ہی غلطی کی کہ ان جواہرات کو دوسرے بازار میں لے گیا اگر قدر نہو تو واقعی علمی نکات ایک پیسہ کے بھی نہیں جیسے اُس کنجڑن نے کہا تھا اور اگر قدر ہو تو پھر انکی قیمت بہت زیادہ ہے۔ دہلی میں ایک شاعر کی زبان سے بیساختہ ایک مصرع نکل گیا ع

لختے بردازدل گذرد ہرکہ زپیشم

اب آگے دوسرا مصرع نہیں آتا تھا بہت پریشان ہوا مگر اگلا مصرع ہی نہ آیا ایک دن وہ اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خربوزہ بیچنے والا گذرا جس نے کسی شاعر سے ایک مصرع بنوالیا تھا یا خود اُسی نے بنالیا تھا اور وہی مصرع صدا کے بجائے کہتا جارہا تھا یعنی ع

من قاش فروش دلِ صدپارہ خویشم

شاعر اس مصرع کو سنتے ہی پھڑک اُٹھا اور دوڑا ہوا اُس کنجڑہ کے پاس گیا کہ بھائی یہ مصرع تو تو مجھکو دیدے اور جتنے روپیے تو کہے مجھسے لیلے کیونکہ میرا ایک مصرع ناتمام پڑا ہوا ہے اُسکا جوڑ یہی مصرع ہوسکتا ہے غرض پانچسو روپیہ میں یہ بات طے ہوئی اور یہ شاعر پانچسو روپیے میں ایک مصرع خرید لایا اب اُسکے پاس پورا شعر ہوگیا ؎

لختے بردازدل گذرد ہرکہ زپیشم — من قاش فروش دلِ صدپارہ خویشم

شاید آپ کی سمجھ میں مصرع خریدنیکا مطلب نہ آیا ہوگا اسکا مطلب یہ تھا کہ یہ مصرع تو میری طرف منسوب کردیا کرنا اپنی طرف منسوب مت کرنا۔ بس اتنی بات کے اُسنے

پانچسو روپیے دئیے تھے سو وجہ کیا تھی وہی قدر دانی کیونکہ شاعر ہی اسکی قدر جان سکتا ہے۔ تو صاحبو! قدر وہ چیز ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے ایک علمی نکتہ ہزار مال و دولت سے بہتر ہوتا ہے اسپر مجھے ایک اور حکایت یاد آئی۔ دہلی میں احمد مرزا فوٹو گرافر ہیں فوٹو اتارنے میں یہ اپنے فن میں ماہر ہیں مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمہ سے بیعت ہونے کے بعد اُنھوں نے زندہ کی تصویر بنانے سے توبہ کرلی ہے وہ اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنٹل مین میرے پاس آیا اور مجھسے پوچھنے لگا کہ آپکے پاس مہدی علیخاں کا فوٹو ہے یا نہیں وہ کہتے تھے کہ میں نے اُس سے کہدیا کہ بھائی اب تو میں نے اس سے توبہ کرلی ہے اور سب فوٹو تلف کردئیے ہیں کہنے لگا شاید کوئی پڑا ہوا نکل آوے اُنہوں نے کہا تم اس ردی میں تلاش کرو شاید اسمیں ہو اُسنے ردی میں تلاش کیا تو وہ فوٹو مل گیا جو نہایت صحیح فوٹو تھا اُسنے پوچھا کہ اسکی قیمت کیا ہے احمد مرزا نے کہدیا کہ اب تو کچھ بھی نہیں۔ اُسنے کہا کہ میں اس شخص کا فوٹو مفت نہیں لے سکتا کیونکہ یہ اس شخص کی نہایت توہین ہے یہ ایسا شخص نہیں جسکا فوٹو بلا قیمت لیا جائے احمد مرزا نے کہا کہ مجھے تو اس کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ شرعاً یہ مال متقوم نہیں اُسنے کہا پھر میں تو مفت نہ لونگا آپ اسکو قیمت نہ سمجھیں میری طرفسے ہدیہ سمجھ لیں اور یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا تو تیرہ روپیے نکلے اُسنے وہ سب اُنکو دیدئیے اور کہا افسوس ہے کہ اسوقت میری جیب میں اتنے ہی روپیے تھے ورنہ میری نیت پچاس روپیہ دینے کی تھی اسوقت تو آپ اسی رقم کو ہدیۃً قبول کرلیجئے غرض بہت اصرار سے وہ شخص تیرہ روپیے ایسے مال کے دے گیا جو مالک کے نزدیک ایک کوڑی کا بھی نہ تھا غرض ہر فن کی قدر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ کیسی قابل قدر چیز ہے پھر یہ تو دنیا کا علم تھا اُس علم کا کیا پوچھنا جو کہ دین کا علم ہے جو کہ آخرت کا ساتھی اور رضائے حق کا وسیلہ ہو۔

علم چوں بر دل زنی یارے شود علم چوں بر تن زنی مارے شود

(میں یہ بیان) کر رہا تھا کہ سب سے زیادہ علم سے بیفکر بڑے طبقہ کے لوگ ہیں حالانکہ

خدا نے جوان کو نعمتیں دی ہیں اُسکا شکر یہی تھا کہ یہ لوگ فارغ ہوکر علم دین میں تبحر حاصل کرتے اور اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے۔ صاحبو! جس طرح مال میں زکوۃ ہے اسی طرح اولاد میں بھی زکوۃ ہے بس اولاد کی بھی زکوۃ نکالو مگر یہاں چالیس کا عدد نہیں ہے آپ زکوۃ کا نام سنکر خوش ہوئے ہونگے کہ بس جب چالیس لڑکے ہوجائیں گے اُسوقت زکوۃ نکالدیں گے نہیں یہاں دو میں سے ایک کو زکوۃ میں نکالو اُسے عربی پڑھاؤ۔ مگر نہایت التجا کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ خدا کے لئے چھانٹ چھانٹ کر بیوقوفوں کو عربی کے لئے انتخاب نکرنا۔ آجکل ردّی سا اوّل تو اپنی اولاد کو عربی پڑھاتے ہی نہیں اور جو کوئی پڑھاتا بھی ہے تو لڑکوں میں جو سب سے زیادہ نکما بیوقوف ہوا اُسے عربی کے لئے انتخاب کیا جاتا ہی اور ہوشیار لڑکوں کو انگریزی پڑھائی جاتی ہے جب کوئی دوست اُنکے گھر آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ آپکے لڑکے کیا کیا پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے انگریزی پڑھنے والوں کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ بی اے پڑھتا ہے یہ انٹرینس کے درجہ میں ہے یہ مڈل پاس کرنے والا ہے اخیر میں عربی والے کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ ذرا ملانی طبیعت کا احمق سا ہے اسکو عربی پڑھادی ہے۔ سبحان اللہ! آپ نے دین کی خوب قدر کی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی یہی قدر ہے خدا تعالی کے کلام کی یہی عظمت ہے بھلا خدا ورسول کے علم کو سمجھنے والے یہی بیوقوف ہو سکتے ہیں جنکو آپ انتخاب کرتے ہیں اسی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ علما کے اندر وہ بات آج نہیں ہے جو انمیں ہونی چاہیئے تھی پھر اسپر لوگ کہتے ہیں کہ آجکل غزالی اور رازی پیدا نہیں ہوتے میں کہتا ہوں کہ تم یہ الزام کسکو دیتے ہو ان بیوقوفوں کو غزالی اور رازی کون بنادے تم اپنی اولاد میں سے ذہین ذہین لڑکوں کو عربی پڑھاؤ دیکھو وہ غزالی اور رازی بنتے ہیں یا نہیں۔ خدا کی قسم غزالی اور رازی اب بھی ہو سکتے ہیں کیا مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ غزالی اور رازی سے کچھ کم تھے واللہ بعض تحقیقات میں یہ حضرات اُنسے بھی

بڑھے ہوئے تھے مگر جب تم احمقوں کو دین کے واسطے منتخب کروگے تو ظاہر ہے کہ تمہارے مقتدا بھی احمق بنیں گے انمیں عقل ہم کہاں سے پیدا کردیں ؎

شمشیر نیک زاہن بد چوں کند کسے
ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس

مگر ان احمقوں کو تو ان کی حماقت ہی مبارک ہو گئی اگر وہ احمق نہوتے تو تم ان کو بھی انگریزی میں ٹھونسکر آپ جہنم کا کندہ بنا دیتے اب وہ دین میں لگ گئے خدا کو راضی کرنے کا طریقہ انکو معلوم ہو گیا اور انشاء اللہ وہ جنت کے مالک ہوں گے قیامت کے دن انکی حماقت انکے کام آئے گی اور دنیا میں بھی وہ علم دین کی برکت سے تمہارے مقتدا ہو گئے۔ اس حماقت کے مبارک ہونے پر مجھے عارف شیرازی رحہ کا قصہ یاد آگیا وہ یہ کہ بالہام غیبی حضرت شیخ نجم الدین کبری کو حافظ کی تربیت کا حکم کیا گیا اور پتہ بتلا دیا گیا کہ حافظ فلاں رئیس شخص کے بیٹے فلاں جگہ کے رہنے والے اور ایسے ایسے ہیں چنانچہ حضرت شیخ منازل طے کرتے ہوئے شیراز پہونچے اور حافظ صاحب کے والد کے یہاں مہمان ہوئے انہوں نے نہایت تعظیم اور خاطرداری کی اور پوچھا کہ حضرت نے کیسے تکلیف فرمائی - فرمایا کہ ہم تمہارے بیٹوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تم اپنی اولاد کو ہمارے سامنے پیش کرو انہوں نے اپنے لڑکوں کو پیش کر دیا جو متعدد تھے - شیخ نجم الدین کبریٰ نے سب لڑکوں کو دیکھا مگر جس کی تلاش تھی وہ انمیں نملا فرمایا کہ تمہارے اور کوئی لڑکا نہیں انہوں نے کہا کوئی نہیں وہ حافظ کو کالعدم سمجھتے تھے - شیخ نے فرمایا کہ ضرور ہے - حضرت حافظ صاحب کے والد نے فرمایا کہ ہاں حضور ایک لڑکا دیوانہ سا ہے میں نے اسکو اسی لئے پیش نہیں کیا کہ وہ تو پاگل ہے اسکا ہونا نہونا برابر ہے دیکھئے انہوں نے حضرت حافظ کو ایسا کالعدم سمجھا کہ ایکبار تو انکار ہی کر دیا کہ میرے اور لڑکا ہی نہیں حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھے اسی دیوانہ کی ضرورت ہے اسی کو بلاؤ حافظ صاحب رح کے والد نے نوکر سے کہا کہ ارے اس باولے کو ذرا تلاش کر جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہوگا چنانچہ نوکر گیا تو واقعی وہ جنگل میں پھر رہے تھے

اور اس حلیہ سے تشریف لائے کہ پنڈلیوں تک کیچڑ لگا ہوا تھا بال کھلے ہوئے لباس بھی خراب وخستہ۔ جوں ہی حضرت حافظ رح نے قدم رکھا اور شیخ نجم الدین کبری رح پر نظر پڑی تو فوراً پہچان گئے کہ یہ شیخ کامل اور میرے مربی ہیں اُسی وقت بے ساختہ یہ شعر پڑھا ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ۔ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

حضرت نجم الدین کبری رح نے کھڑے ہوکر حافظ رح کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا بتو نظر کردم بتو نظر کردم اور جو کچھ اُنکو دینا تھا اسی وقت عطا فرما دیا اور تشریف لیگئے۔ تو حضرت بعضے احمق ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلمندوں سے اچھے پڑ رہتے ہیں۔ غرض ان لوگوں کو تو اُن کی حماقت مبارک ہوگئی مگر تمنے تو اس خیر خواہی کا قصد نکیا تھا تم تو اُنکو عربی میں نکما اور ناکارہ سمجھکر ہی ڈالتے ہو سو یہ کسقدر بیہودہ بات ہے تم کو چاہیئے کہ علم دین کیواسطے ذہین ذہین لڑکوں کو انتخاب کرو۔ اور جب خدا نے تمکو فراغت دی ہے تو بیفکری کے ساتھ اُنکو مکمل نصاب کی تعلیم دو اور اگر پوری تعلیم نہیں دیسکتے تو عربی کا مختصر نصاب ہی اُنکو ضرور پڑھا دو کہ بقدر ضرورت وہ بھی کافی ہے اور اگر یہ بھی نہو سکے تو کم از کم اردو میں تو ضرور اُنکو دین سے آگاہ کردو اور چند روز کے لئے کسی کامل کی صحبت میں اُنکو چھوڑ دو تاکہ وہ مسلمان تو بن جائیں۔ شاید تم یہ کہو کہ جب اردو میں مسائل معلوم ہو سکتے ہیں اور اس طرح بھی دین سے واقف ہو سکتے ہیں تو پھر عربی پڑھانے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ سو خوب سمجھ لو کہ تعلیم دین کے تمام ہونے سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عربی کی ضرورت نہیں۔ عربی تعلیم سے استغنا کبھی نہیں ہو سکتا میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر تم عربی نہ پڑھانا چاہو تو کم از کم اردو ہی میں دین سے واقف کردو باقی اردو پڑھنے والا عربی پڑھنے والے کی برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسکی وجہ ایک بچہ نے بتلائی اور واقعی غضب ہی کردیا کہ اُسنے ذرا سی عمر میں ایسی گہری بات کہی میرا ایک عزیز ہے اُسکے والد نے بچپن ہی سے اُسکو انگریزی تعلیم میں ڈالدیا تھا

ایک مرتبہ وہ شوخی کرتا پھرتا تھا میں نے بلایا کہ ادھر آؤ باتیں کریں وہ آیا میں نے کہا
بتلا کہ عربی اچھی ہے یا انگریزی بیساختہ بولا کہ عربی۔ میں نے پوچھا کیوں کہنے لگا
کلام اللہ عربی میں ہے عربی پڑھنے سے کلام اللہ خوب سمجھ میں آتا ہے۔ مجھے اُس کے
اس جواب پر حیرت ہو گئی پھر میں نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے مگر اس سے دنیا نہیں
ملتی نہ اس سے بڑی بڑی نوکریاں ملتی ہیں اور انگریزی پڑھنے سے بڑے بڑے
عہدے ملتے ہیں تو عربی پڑھکر کھائے کہاں سے۔ اسکا جواب بھی کسقدر گہرا دیا کہنے
لگا کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے تو وہ اللہ کا ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کے
دلوں میں ڈالتے ہیں کہ اس کی خدمت کرو لوگ اُس کی خدمت کرتے ہیں اسلئے
وہ پریشان نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک ہے مگر یہ ذلت کی صورت ہے کہ لوگو
کے نذرانوں پر پڑا رہتا ہے۔ کہنے لگا کہ ذلت تو خود مانگنے میں ہے اور اس میں کیا
ذلت ہے کہ لوگ اسکو خوشامد کر کے دیں۔ میں نے کہا کہ واقعی تم خوب سمجھے
پھر میں نے کہا کہ تم کیوں انگریزی پڑھتے ہو۔ کہنے لگا ہم کیا کریں ابا ہی پڑھواتے
ہیں۔ میں نے اُس کے والد سے کہا کہ تم نے ناحق اس لڑکے کو انگریزی میں ڈالا
اسکو تو عربی ہی سے مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ واقعہ میں نے اُنکو سنایا
وہ بھی آخر اُسی کے باپ تھے کہنے لگے کہ اُسکو عربی سے تو خود ہی مناسبت ہے
اسلئے اُسکو تو وہ خود حاصل کر لے گا اور انگریزی سے اُسکو مناسبت ہی نہیں
وہ میں نے پڑھا دی کیونکہ اسکو وہ خود حاصل نکرتا اور آجکل اسکی بھی ضرورت
ہے میں نے کہا کہ اُسکو عربی سے آج تو مناسبت ہے مگر مدت تک انگریزی
پڑھنے کے بعد یہ حالت نہیں رہے گی۔ مگر انہوں نے اُسکو انگریزی ہی میں رکھا
چنانچہ ابتک وہ انگریزی پڑھ رہا ہے لیکن اب بھی اُس میں ایک رگ ملانوں
کی ہے جس سے امید ہے کہ انشاء اللہ ایک دن وہ ادھر ہی کھینچے گا۔ تو صاحبو!
عربی پڑھنے میں یہ بات ہے جو اس بچے نے بتلائی کہ قرآن حدیث کی پوری سمجھ
عربی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اگر کوئی یہ کہے کہ ہم ترجمے دیکھکر سب سمجھ لینگے

سو یاد رکھو کہ ترجموں سے کلام کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ علم ذوق کا نام ہے اور ذوق جبھی حاصل ہوگا جبکہ قرآن و حدیث کی زبان میں اسکو پڑھا جائے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اہل علم کو جو لطف قرآن میں آتا ہے وہ ترجمہ دیکھنے والیکو نہیں آسکتا اور قاعدہ ہی ہے کہ جو کتاب جس زبان کی ہو اس کا لطف جبھی آسکتا ہے جبکہ اُس زبان کو آپ جانتے ہوں۔ بہت سے اشکالات ترجمہ دیکھنے سے قرآن میں پیدا ہو جاتے ہیں جنکا جواب ذوقِ لسان ہی سے ہو سکتا ہے بہت سے اشکالات نحو و صرف کے نہ جاننے سے پیدا ہوتے ہیں اسلئے ان علوم آلیہ کی بھی ضرورت ہے بلکہ کچھ منطق و کلام کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بعض اشکالات ان ہی علوم کے جاننے سے رفع ہو جاتے ہیں۔ بعض اشکالات سے ان علوم کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی اور اسکے نظائر بہت ہیں مگر میں نمونہ کے لئے چند مثالیں بیان کرتا ہوں جو طالبعلموں کے سمجھنے کی باتیں ہیں۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھکو کچھ پوچھنا ہے مگر اول اس آیت کا ترجمہ کر دو ووجدک ضالا فهدی میں سمجھ گیا اور میں نے ترجمہ اسطرح کیا کہ پایا آپکو ناواقف پس واقف بنادیا یہ ترجمہ سنکر وہ میرے منہ کو تکنے لگے میں نے کہا کہ اب پوچھو کیا پوچھتے ہو کہنے لگے کہ اب تو وہ اشکال ہی نہ رہا۔ میں نے کہا تو کیا آپکا یہ خیال تھا کہ میں اس جگہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ سے کرونگا اور وہ ترجمہ بھی غلط نہیں ہے مگر غلط فہمی زبان نہ جاننے سے ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اردو میں تو گمراہ کا مفہوم صرف یہی ہے کہ باوجود وضوح حق کے اوسکو قبول نہ کرے اور عربی میں ضلال اور فارسی میں گمراہی کا اطلاق عام ہے اس معنے کو بھی اور عدم وضوح کو بھی۔ پس ضال کے معنے گمراہ کے بھی ہیں اور بے خبری اور ناواقفی کے بھی ہیں۔ ایک اشکال ترجمہ پڑھنے والوں کو اس آیت پر ہوتا ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا ہ (ترجمہ) اور ہر گز نہیں دینگے حق تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ یعنی غلبہ۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو بارہا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کفار مسلمانوں پر غالب ہو جاتے ہیں

اسکے بہت سے جواب علماء نے دئے ہیں لیکن اگر قرآن کیساتھ ذوق و مناسبت ہو تو یہ ضرور یہ سمجھے گا کہ کلام اللہ غیر مرتبط نہیں ہو پھر جب اوسکو مرتبط سمجھے گا تو ہر مقام پر سیاق و سباق کو بھی دیکھے گا۔ چنانچہ اس آیت پر اشکال اسلئے ہوا کہ لوگوں نے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاہ کے سباق کو نہ دیکھا وس میں یہ حکم آخرت کیساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس سے پہلے یہ ارشاد ہے فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ ہ حق تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرینگے یعنی قیامت میں کفار و مسلمین کا فیصلہ ہو جائیگا کہ کون حق پر تھا کون ناحق پر اسکے بعد فرماتے ہیں ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاہ اور اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دینگے یعنی اس فیصلہ میں جو آخرت میں ہوگا اب کوئی اشکال نہ رہا۔ بعض دفعہ قاعدہ صرف کے نہ جاننے سے اشکال پڑتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ اخباروں میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی کہ امریکہ میں ایک شخص کے دو دل ہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ یہ تو قرآن کے منافی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ ہ یعنی خدا تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔ اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ اہل اخبار کی خبر کا اعتبار ہی کیا کسی نے اوسکے پیٹ کو چیر کر تو نہیں دیکھا محض قیاس اور گمان سے یہ حکم لگا دیا ہے کہ اس شخص کے دو دل ہیں سو ممکن ہے کہ اس شخص کا دل بہت زیادہ قوی ہو اسلئے دو دل ہونے کا شبہ ہو گیا ہو یہ جواب تو بطور منع کے ہے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ قرآن میں ما جعل صیغہ ماضی کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت تک خدا نے کسی کے دو دل نہیں بنائے اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ آئندہ بھی کسی کے دو دل نہ بنائینگے پس اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تب بھی قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔ اور بعض اشکالات کا جواب نحوی قاعدہ سے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے پاس ایک ملاجی آئے اور کہنے لگے کہ وضو میں پاؤں دھونا جو فرض ہے اسکی دلیل کیا ہے قرآن میں تو پیروں کے واسطے

مسح کا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن میں کہاں ہے کہنے لگے کہ شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے پھر وہ مترجم قرآن میرے پاس لائے اور یہ آیت کھائی فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔ ترجمہ یہ لکھا ہوا تھا پس دھوؤ اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور ملو اپنے سروں کو اور پیروں کو دو ٹخنوں تک۔ شاہ صاحب نے یہاں فعل مقدر کو ظاہر نہ کیا تھا اور مسح کا ترجمہ محاورہ کے موافق کر دیا۔ ورنہ بعضے تراجم میں تقدیر فعل کو ظاہر کر کے اس طرح ترجمہ کیا ہے اور دھوؤ اپنے پیروں کو دو ٹخنوں تک اور بعض ترجموں میں مسح کا ترجمہ مسح ہی سے کیا ہے اسطرح کہ مسح کرو اپنے سروں کا تو اسمیں لفظ کو نہیں آیا۔ اس ترجمہ پر کچھ اشکال نہیں ہو سکتا مگر شاہ صاحب کے ترجمہ میں ملاجی کو یہ شبہ ہوا کہ پیروں کے لئے بھی مسح کا حکم ہے۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اس اشکال کا جواب تو نحوی قاعدہ پر موقوف ٹھہرا اب اگر میں انکو نحوی قاعدہ سے جواب دوں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ انکے سامنے عطف اور تقدیر کی تحقیق بیان کروں جسکو یہ سمجھ ہی نہیں سکتے آخر میں نے اوسنے کہا کہ جس کلام کا یہ ترجمہ ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے بولے کہ علماء کے کہنے سے معلوم ہوا میں نے کہا افسوس یا تو علماء اتنے ایماندار ہیں کہ اگر وہ ایک عربی عبارت کو کلام اللہ کہدیں تو سچے اور یا اتنے بے ایمان ہیں کہ اگر وہ ایک فعل کو مرض کہیں تو جھوٹے۔ اسپر چپ ہو گئے میں نے کہا خبردار جو تم نے کبھی ترجمہ دیکھا ایسوں کو ترجمہ دیکھنا بیشک ناجائز ہے۔ اسی طرح بہت سے اشکالات ہیں جنکے جواب علوم آلیہ پر موقوف ہیں۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عوام کو ترجمہ خود نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ اگر شوق ہو تو کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھنا چاہیئے۔ غرض اس اشکال کا جواب یہ تھا کہ یہاں ارجلکم کا عطف وجوھکم پر ہے خیر یہ اشکال تو کچھ نہیں بڑا اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ ایک قرأت متواترہ میں وارجلکم بالجر بھی آیا ہے اور اس صورت میں بظاہر اسکا عطف رؤسکم کے اوپر اور فامسحوا کی تحت

میں ہے اسکا جواب علمار نے یہ دیا ہے کہ اس میں جر جوار ہے ورنہ حقیقت میں اسکا عطف فاغسلوا کے تحت میں ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا عطف فامسحوا کے تحت میں ہے جب بھی پیروں کے لئے مسح کا حکم لازم نہیں آتا کیونکہ محاورات میں بعض دفعہ دو ایسی چیزوں کو جن کی ساتھ دو فعل متعلق ہوتے ہیں اختصار کے لئے ایک ہی فعل کے تحت میں بیان کر دیتے ہیں مثلاً دعوت کے موقعہ پر کہا کرتے ہیں کہ کچھ دانا پانی ہمارے یہاں بھی کھائیے گا۔ حالانکہ پانی تو پینے کی چیز ہے کھانے کی چیز نہیں اصل کلام اسطرح تھا کہ کچھ دانا کھا لیجئے گا۔ پانی پی لیجئے گا مگر اختصار کے لئے ایک فعل کو حذف کر کے دونوں چیزوں کو ایک فعل کے تحت میں ذکر کر دیتے ہیں اسی طرح اگر کوئی پوچھے کہ تمنے دعوت میں کیا کھایا تھا تو جواب میں کہا کرتے ہیں پلاؤ زردہ دودھ دہی گوشت کھایا تھا۔ حالانکہ دودھ پینے کی چیز ہے یوں کہنا چاہئے تھا کہ دودھ پیا تھا باقی چیزیں کھائی تھیں جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ ارجلکم کا عطف اگر فامسحوا کے تحت میں بھی مان لیا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ پیروں کے لئے مسح کا حکم ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ رؤس و ارجل کا تعلق اصل میں دو فعلوں سے تھا "ایجازاً" ایک فعل کو حذف کر دیا گیا اور ظاہر میں دونوں کو فامسحوا کے متعلق کر دیا گیا۔ اور مطلب وہی ہے کہ سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھوؤ۔ عربی میں اسکی نظیر یہ کلام ہے علفته تبناً و ماءً بارداً۔ اور اگر وامسحوا کے حکم کو بھی ارجلکم کے متعلق مان لیا جائے تب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو قراءتیں بمنزلہ دو آیتوں کے ہوا کرتی ہیں جس طرح دو آیتیں اپنے اپنے حکم کو مستقلاً ثابت کرتی ہیں اور دونوں پر عمل ضروری ہے اسی طرح دو قراءتیں بھی معمول بہا ہوتی ہیں پس ارجلکم میں قراءت بالجر ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ پیروں کے لئے مسح کا بھی حکم ہے رہا یہ کہ غسل کا حکم نہیں ہے

ـــه یعنے ایسے مقام پر جہاں دودھ پینا بولا جاتا ہو دودھ کھانا نہ بولا جائے ۱۲ منہ

یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قرات نصب غسل کو لازم کر رہی ہے تو مجموع
قرا تین سے یہ ثابت ہوا کہ پیروں کے لئے مسح اور غسل دونوں کا حکم ہے۔ اس
طرح کہ قرات جر بحالت لبس خف ہے اور قرات نصب بحالت عدم خف کے
یہ تاویل بھی بہت عمدہ ہے۔ اور ایک توجیہ میرے ذہن میں ایک سوال کیوقت آئی
وہ یہ کہ مسح کے معنے ملنے کے ہیں خواہ بدون غسل کے یا مع غسل کے پس دھونا
تو ایک قرات سے اور حدیث متواتر سے فرض ہوا اور ملنا قرات جر سے مامور
بہ ہوا بمعنے مستحب جسکی وجہ یہ ہے کہ پیروں کی کھال سخت ہوتی ہے تو عادۃً اکثر
اسپر پانی بہانا کافی نہیں ہوتا ملنے سے پانی پہونچتا ہے چنانچہ فقہا نے اسی
اہتمام کے لئے اسکو بھی مندوب کہا ہے کہ وضو کے قبل پاؤں کو تر کر لیا جاوے
پھر آخر وضو میں دھویا جاوے۔ غرض آپ نے معلوم کر لیا کہ نحو کی کسقدر ضرورت
ہے کیونکہ بعض اشکالات اسی سے رفع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک نیچری مفسر نے
دعویٰ کیا تھا کہ قرآن میں غلامی کے مسئلہ کا ثبوت نہیں ہے بلکہ ایک آیت
سے تو اس کی نفی ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے فشدوا الوثاق فاما منا
بعد واما فداءً اس سے پہلے جہاد کا ذکر ہے ارشاد فرماتے ہیں فاذا
لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب پس جب تم کفار کے مقابل ہو تو ان
کی گردنیں مارو (یعنے قتل کرو) یہانتک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو
تو (تمکو دو اختیار ہیں) یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا جو کہ احسان ہے یا معاوضہ
لیکر چھوڑ دینا۔ اس سے اس نئے مفسر نے یہ استدلال کیا کہ اس آیت میں
بطور حصر کے دو باتیں مذکور ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ تیسری صورت (یعنی
غلام بنانا) جائز نہیں اس تقریر سے ایک عالم کو شبہ پڑ گیا اس کا جواب
ایک دوسرے عالم نے انکو یہ دیا کہ پہلے آپ یہ بتلائیں کہ یہ قضیہ کونسا ہے
حملیہ یا شرطیہ اور شرطیہ ہے تو متصلہ یا منفصلہ اور منفصلہ ہے تو حقیقیہ یا مانعۃ
الجمع یا مانعۃ الخلو۔ بس اتنی بات میں سارے اشکال کو درہم برہم کر دیا۔ کیونکہ

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ یہ قضیہ ممکن ہے کہ مانعۃ الجمع ہو یعنی ان دونوں کا جمع کرنا ممتنع ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں صورتیں مرتفع ہوں اور تیسری کوئی اور صورت ہو کیونکہ مانعۃ الجمع کا حکم یہی ہے کہ اُنکا اجتماع جائز نہیں ہوتا اور دونوں کا ارتفاع ممکن ہے مثلاً دور سے کسی چیز کو دیکھکر ہم یوں کہیں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا آدمی ہے اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں کا اجتماع تو نا ممکن ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نہ درخت ہو نہ آدمی ہو بلکہ کوئی تیسری چیز ہو گھوڑا بیل وغیرہ اسیطرح اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ من و فدا دونوں کا جمع کرنا ممتنع ہے البتہ دونوں سے خلو ممکن ہے تو اب اس سے غلامی کی نفی کیونکر ہوئی سو دیکھیے جو شخص مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو کی حقیقت نہ جانتا ہو وہ نہ اس اشکال کو دور کر سکتا ہے اور نہ جواب کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں دوسرا اشکال ہے آیت یہ ہے ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا و ھم معرضون۔ بظاہر اس آیت میں شکل اول کی صورت معلوم ہوتی ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ اُن (کفار) میں کچھ بھلائی اور خیر دیکھتے تو اُنکو (دین کی باتیں) سنا دیتے اور اگر اُن کو سنا دیتے تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ دیتے شکل اول کے قاعدہ پر اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے لو علم اللہ فیھم خیرا لتولوا یعنے اگر حق تعالیٰ اُن میں بھلائی دیکھتے تو وہ پیٹھ موڑ دیتے حالانکہ یہ نتیجہ محال کو مستلزم ہے کیونکہ جس صورت میں حق تعالیٰ کو اُنکے اندر بھلائی معلوم ہوتی اُس صورت میں تو وہ حق بات کو قبول کرتے اس حالت میں اعراض کیونکر ممکن تھا کیونکہ اعراض تو شر ہے خیر کیساتھ اسکا اجتماع نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آئے گا کہ اُنمیں خیر ہی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں شکل اول ہی نہیں کیونکہ یہاں حد وسط مکرر نہیں لاسمعھم اول سے مراد تو یہ ہے کہ لاسمعھم فی حالۃ علم الخیر فیھم اور ثانی سے مراد یہ ہے کہ لو اسمعھم فی حال عدم علم اللہ فیھم خیرا حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ کو اُن میں بھلائی کا ہونا معلوم ہوتا تو وہ ضرور اُنکو دین کی باتیں

سنا دیتے اور وہ اُسکو قبول بھی کر لیتے اور اگر اس حالت میں کہ خدا کو معلوم ہے
کہ اُن میں بھلائی نہیں ہے سرسری طور پر اُنکو دین کی باتیں سنا دی جائیں تو
وہ اعراض ہی کرینگے اب وہ اشکال رفع ہو گیا۔ اس سے آپکو منطق کی ضرورت
معلوم ہو گئی ہو گی اسی طرح علم کلام کی بھی ضرورت ہے کیونکہ قرآن میں بعض
مضامین ایسے مذکور ہیں جنکا ظاہری مضمون جو عام طور پر سمجھ میں آتا ہے مراد نہیں
مثلاً فثم وجه الله ید الله مبسوطتان علی العرش استوی والسموات
مطویت بیمینه یعنے کسی جگہ کہا گیا ہے کہ جدہر تم منہ کرو خدا کا رُخ اُدہر
ہی ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں کہیں فرمایا ہے کہ خدا
عرش پر مستوی ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ آسمان خدا کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے
تو اس سے بعض جاہلوں کو یہ شبہ ہو گا کہ خدا کے بھی ہماری طرح منہ اور ہاتھ
اور پیر ہیں مگر علم کلام کے دلائل سے معلوم ہو گا کہ خدا تعالیٰ جوارح اور مکان
و زبان سے پاک ہے اسکے لئے ان چیزوں کا ثابت ہونا حقیقۃً ممکن نہیں ہاں مجازاً
کوئی دوسرے معنے مراد لئے جاویں تو ممکن ہے چنانچہ علمار نے ان آیات کے
معانی خدا کی شان کے لائق بیان بھی کئے ہیں اور سلف کا طرز اس بارہ میں سکوت
ہے تو علم کلام سے معلوم ہو گا کہ خدا تعالیٰ کے لئے کس صفت کا ثابت ہونا ضروری
ہے اور کن باتوں سے اُسکا پاک ہونا ضروری ہے۔ اسلئے دوسرے علوم
کی بھی ضرورت ہے اور وہ علوم عربی میں مدون ہیں لہذا عربی کی سخت ضرورت ہے
شریعت کا علم کامل بغیر علوم عربیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اگر کسی کو علم کامل
کی فرصت نہو وہ ناقص سے تو محروم نہ رہے ما لا یدرک کله لا یترک کله
پس عوام نے یہ غلطی کی کہ اُنہوں نے اردو میں بھی علم نہ سیکھا اور علمار نے یہ
غلطی کی کہ عربی تو سیکھی مگر بعضے علوم غیر نافعہ میں مشغول ہو گئے ان دونوں
غلطیوں پر اس آیت میں تنبیہ ہے ویتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم و
لقد علموا لمن اشتراه ما له فی الآخرة من خلاق ط لو کانوا یعلمون

اس آیت میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو معلوم ہے کہ جو شخص علم مضر کو اختیار کرے آخرت میں اُس کے لئے (اُس علم کی وجہ سے) کچھ حصہ نہیں آگے فرماتے ہیں لو کانوا یعلمون۔ کاش وہ جاننے والے ہوتے اسپر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ جانتے تھے تو پھر اسکا کیا مطلب کہ کاش وہ جانتے ہوتے اسمیں نکتہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اسپر متنبہ فرمایا ہے کہ جس علم پر عمل نہو وہ بمنزلہ جہل کے ہے اسلئے یہودیوں کا وہ جاننا تو نہ جاننے کے برابر ہوگیا اب آئندہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ کاش اب بھی جان لیں یعنے اپنے علم پر عمل کرنے لگیں اور یہاں سے میں ایک اور غلطی پر آپکو متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ علوم نافعہ وہ ہیں جو آخرت میں کام آئیں مطلق علوم مراد نہیں اب آجکل بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ علم کی فضیلت میں آیات و احادیث لکھتے ہیں اور اسپر زور دیتے ہیں کہ شریعت میں علم حاصل کرنے کی بہت تاکید ہے اور اسکے بعد ان تمام فضائل کو انگریزی تعلیم پر چسپاں کرتے ہیں اس تمام تمہید کے بعد وہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت ثابت کرتے اور اسکی ترغیب دیتے ہیں جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا انگریزی پڑھنے سے یہ تمام فضائل حاصل ہو جائیں گے سو خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ سخت دھوکہ دیتے ہیں شریعت میں جتنے فضائل علم کے مذکور ہیں اُنسے مراد وہ علم ہے جو آخرت میں مفید ہو یعنی علم شرائع و احکام انگریزی تعلیم اُس سے مراد نہیں ہاں اگر انگریزی میں دینی مسائل کا ترجمہ ہوجاوے تو پھر اُن انگریزی کتابوں کا پڑھنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اردو میں دینی مسائل کا پڑھنا مگر شرط یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والا محض انگریزی داں نہو بلکہ محقق عالم ہو یا کسی انگریزی داں محقق عالم نے اُس کی اصلاح اور تصدیق کر دی ہو ایسا ترجمہ نہو جیسا کہ ایک صاحب نے انگریزی میں شرع محمدی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تعجب کی حالت میں طلاق نہیں پڑتی مجھے اس کی خبر اس طرح ہوئی کہ ایک مقام پر ایک واقعہ طلاق کا پیش آیا تھا اُس میں

طلاق دینے والے کے بعض خیرخواہوں کو فکر ہوئی کہ کسی طرح کچھ گنجائش نکل آوے تو چلیا چیپی کردیں چنانچہ مختلف کتابیں دیکھی گئیں اُنمیں وہ شرع محمدی بھی نکالی گئی اُسمیں یہ لکھا ہوا تھا کہ تعجب کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی جس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ مثلاً کسی کی بیوی نے خلاف عادت ایکدن خوب زینت وآرائش کی شوہر کو یہ حالت دیکھکر تعجب پیدا ہوا اُسنے تعجب میں کہدیا کہ تجھے تین طلاق اب یہ انگریزی مفتی فرماتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی کیونکہ تعجب میں دی گئی ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب میرے پاس یہ کتاب لائی گئی میں نے کہا کہ یہ مسئلہ تو بالکل غلط ہے اسکی کچھ بھی اصل نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مدہوش کی طلاق نہیں ہوتی مدہوش عربی لفظ ہے جس کے معنے ہیں از عقل رفتہ یعنے غصہ وغیرہ میں اگر کوئی شخص ایسا حواس باختہ ہوجائے کہ اُس سے مجنونانہ حرکتیں صادر ہونے لگیں مثلاً دیوار میں سر مارنے لگے یا اپنے ہاتھ میں کاٹنے لگے غرض ایسا بے تاب ہو کہ عقل زائل ہوجاوے تو اُسکی طلاق نہیں ہوتی اُن حضرت نے لفظ تو عربی دیکھا اور ترجمہ کیا اردو محاورہ کے موافق اردو میں مدہوش حیرت زدہ کو بھی کہدیتے ہیں۔ پس شاید مدہوش کا ترجمہ متحیر کا کیا ہوگا پھر متحیر کا ترجمہ متعجب کردیا ہوگا۔ یا نمعلوم انہوں نے انگریزی کا کونسا لفظ مدہوش کے ترجمہ میں اختیار کیا ہوگا پھر اُسکا ترجمہ اردو میں ہوا تو وہ کچھ سے کچھ ہوگیا یعنے ٹیڑھی کھیر ہوگئی۔ ٹیڑھی کھیر کی حکایت شاید آپنے نہ سنی ہوگی۔ ایک لڑکے نے اپنے اندھے میانجی سے کہا کہ آج آپ کی ہمارے یہاں دعوت ہے۔ کہا کیا کھلاویگا اوسنے کہا کھیر۔ کہنے لگے کہ کھیر کیا ہوتی ہے لڑکے نے کہا کہ چاولوں میں مٹھائی ڈالکر پکاتے ہیں۔ حافظجی نے پوچھا کہ وہ کیسی ہوتی ہے اُسنے کہا کہ سفید ہوتی ہے۔ اندھے میاں نے سیاہ وسپید کیوں دیکھا تھا کہنے لگے سفید کیسا ہوتا ہے لڑکے نے کہا جیسے بگلا انہوں نے بگلا بھی نہ دیکھا تھا بولے کہ بگلا کیسا ہوتا ہے لڑکے نے بگلے کی صورت اپنے ہاتھ پر بنا کر اُسپر حافظجی کا

ہاتھ پھیر اگر بگلا ایسا ہوتا ہے تو وہ یہ سمجھے کہ بس کھیر بھی اسی شکل کی ہوتی ہوگی کہنے لگے کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے گلے سے بھی نہ اترے گی تو دیکھئے بات کیا تھی اور کہاں پہونچگئی اسی طرح مدہوش کا مسئلہ ترجمہ در ترجمہ ہونے سے یہاں پہونچگیا کہ تعجب میں طلاق نہیں پڑتی۔ پھر غضب یہ ہے کہ وہ کتاب قانون میں داخل ہے اُسی کے موافق فیصلے ہوتے ہونگے نمعلوم کس کس کو اس مسئلہ کے موافق طلاق سے بری کردیا گیا ہوگا۔ بس یہ مترجم رہ گئے ہیں اور ان کی کتابیں قانون میں داخل ہیں جنکو شریعت سے ذرا بھی مس نہیں بس وہی حال ہو رہا ہے ؎

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند	ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند
اذا کان الغراب دلیل قوم	سیہدیہم طریق الھالکینا

صاحبو! اس کے متعلق گورنمنٹ سے درخواست کرنے کی سخت ضرورت ہے کہ اس غلطی کی بہت جلد اصلاح کی جاوے یہ مسئلہ بالکل غلط ہے اور جس قدر ترجمے قانون میں داخل ہیں اُن کو دوچار محقق عالموں کو دکھا کر پاس کیا جائے محض ایک شخص کے ترجمہ کردینے سے اُسکے موافق فیصلے نہ کئے جائیں دیکھئے یہ کام کرنے کا ہے مگر مسلمان ایسے کام نہیں کرتے جنکی ضرورت دینی اعتبار سے فوری ضرورت ہے کہ نمعلوم اس غلط مسئلہ کی وجہ سے کتنی بدکاریاں مسلمانو میں ہوتی ہونگی۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اگر مسلمان گورنمنٹ سے اس کی اصلاح کی درخواست کریں تو وہ فوراً اس پر توجہ کرے گی۔ مگر آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جو کام ہو سکتا ہو جس کی تدابیر انکے اختیار میں ہوں جس میں کامیابی کی پوری امید ہو وہ کام تو کرتے نہیں اور جو کام اختیار سے باہر ہو جو اُن سے نہو سکے اُس کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ میں کہتا ہوں ؎

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ	برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

اور یہ مذاق بھی اسی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اگر لوگ دین سے واقف ہوتے تو الاہم فالاہم پر عمل کرتے غرض ہر کام کے لئے علم دین کی سخت ضرورت ہے علم دین کے بغیر یہی نہیں معلوم ہوتا کہ ضروری کونسی چیز ہے اور غیر ضروری کونسی چیز ہے۔ پس اگر انگریزی میں کسی محقق نے دینی مسائل لکھدئے ہوں تو پھر اُن انگریزی کتابوں کا پڑھنا بھی ثواب میں داخل ہے باقی عام لوگوں کی انگریزی کتابیں خواہ وہ دین ہی کی طرف منسوب ہوں قابل اعتبار نہیں اور جن میں دین کا نام بھی نہو وہ تو محض دنیا ہے ایسی کتابوں کی تعلیم و تعلم پر علمی فضیلت کی احادیث و آیات کو منطبق کرنا تو نری جہالت ہے اب میں بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ بہت دیر ہوگئی ہے نماز ظہر کا بھی وقت آگیا ہے بس میں خلاصہ وعظ بیان کرکے ختم کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تعلیم علم دین کو وسیع کرنا چاہیئے علم دین کو عربی ہی کیساتھ مخصوص نکرنا چاہیے اور اس کے ضمن میں میں نے ہر طبقہ کی تعلیم کا طریقہ بھی تبلادیا ہے لیکن اسی کیساتھ عربی کو فضول نہ سمجھیں جو لوگ معاش سے فارغ ہوں اُن پر عربی پڑھنا اور اولاد کو پڑھانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ لیکن معلمین کو بھی میں ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنا طرز تعلیم بدلیں طالب علم کی حیثیت کے موافق تقریر کیا کریں میزان الصرف میں شرح ملاجامی نہ پڑھایا کریں میں نے ایک مدرس کو دیکھا کہ وہ اللہ کے بندے میزان میں یہ بیان کررہے تھے کہ الحمد میں جو الف لام ہے یہ استغراق کا ہے الف لام کی چار قسمیں ہیں ایک جنسی ایک عہد خارجی ایک عہد ذہنی ایک استغراقی۔ بھلا یہ مضامین میزان میں بیان کرنے کے ہیں بس وہ مدرس صاحب بیان کررہے تھے اور طالب علم اُن کا منہ تک رہا تھا۔ میں نے کہا کہ اس بیچارہ کے نزدیک تو الف لام استغراق ہی کا ہوتا ہے اور کہیں کا نہیں ہوتا کیونکہ اس الف لام نے اُسکو تو مستغرق بنادیا ہے۔ اسی طرح مدرسوں کو

چاہیئے کہ ہر طالب علم کو پوری عربی پڑھانا ضروری نہ سمجھیں جس کے اندر مناسبت دیکھیں اور فہم سلیم پاویں اُسکو سب کتابیں پڑھاویں اور جسکو مناسبت نہو یا جس کی فہم سلیم نہو اُسکو بقدر ضرورت مسائل پڑھا کر کہدیں کہ جاؤ دنیا کے دھندے میں لگو تجارت وحرفت کرو۔ کیونکہ ہر شخص مقتدا بننے کے لائق نہیں ہوتا بعضے نالائق بھی ہوتے ہیں ایسوں کو فارغ التحصیل بنا کر مقتدا بنا دینا خیانت ہے ؎

بد گہر را علم وفن آموختن	دادن تیغ ست دست راہزن

مگر آجکل مدرسین ومہتممین اس کا بالکل خیال نہیں کرتے کیا جتنے طلبہ اُنکے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں سبھی کو علم سے پوری مناسبت ہوتی ہے اور سبھی کی فہم سلیم ہوتی ہے ہرگز نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ طلبہ کا انتخاب نہیں کرتے ایسے لوگوں کے لئے ایک مقدار معین کر لینا چاہیئے کہ اُس سے آگے اُن کو نہ پڑھایا جائے اور وہ مقدار ایسی ہو جو دین کے ضروری ضروری مسائل جاننے کے لئے کافی ہو اور عام لوگوں کے واسطے اردو کا نصاب مقرر کرنا چاہیئے۔ الحمد للہ کہ ضرورت کے موافق علم کے متعلق اس وقت کافی بیان ہو گیا اب حجت ختم ہو گئی ہو اب بھی اگر کوئی علم دین حاصل نکرے تو اُس کے پاس کوئی عذر نہیں۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم وشرف وکرم آمین والحمد للہ رب العلمین

تمت بالخیر

فہرست کتب و مواعظ جدید الطبع موجودہ مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون

نزہۃ البساتین حضرات اولیاء اللہ و بزرگان سلف کی ایک ہزار حکایتوں کا مجموعہ۔ جسکے مطالعہ سے سالکین کو ہمت اور غیر سالکین کو شوق پیدا ہوتا ہے۔ مستند عربی کتاب ہو جسے حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی دام ظلہم نے اردو میں اپنی زیر نگرانی ترجمہ کرا دیا ہے ضخیم کتاب ہے اسکے مطالعہ کیلئے حضرت مولانا دام ظلہم اکثر خدام کو ہدایت فرماتے ہیں قیمت ہے

مجموعہ التقوی ۲ اسمیں چار وعظ ہیں۔ مواعظ کا نافع ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے قیمت ۱؍

وعظ تعظیم العلم۔ یہ بھی نہایت دلچسپ اور جدید وعظ ہے قیمت ۶

وعظ الشریعۃ۔ اس میں حقوق شریعت کا بیان ہے قیمت ۴

الدر المنضود کتاب البحر المورود مصنفہ علامہ شعرانی کا اردو میں سلیس ترجمہ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے تصوف کی حقیقت اور اوس کے اصول بالکل ظاہر ہو جاتے ہیں اسکے متعلق حضرت حکیم الامت دام ظلہم نے بارہا فرمایا ہے کہ اسکا مطالعہ ہر سالک کو نہایت ضروری ہے قیمت صرف ......۱؍

کلید مثنوی دفتر ششم کامل مثنوی شریف جس قسم کی کتاب ہے اور جیسی نافع ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ اسکی مطابق شریعت و طریقت شرح کلید مثنوی ہی ہوئی ہے۔ ورنہ دیگر شراح نے اگر شریعت کا پہلو لیا ہے تو طریقت کو چھوڑ گئے ہیں اور اگر طریقت کے مطابق شرح کی ہے تو شریعت کا درس ہاتھ سے دیدیا ہے۔ الا ماشاء اللہ اسوقت ہمارے یہاں صرف دفتر ششم کامل موجود ہے۔ قیمت دفتر ششم کامل ......۱۲؍

ملنے کا پتہ

احقر محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون